Date of Publication: 23-03-2014 PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 24-25 March. 2014
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U (C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22 March - 07 April 2014
Issue: 12,13, Vol.:73

۲۲؍مارچ تا ۷؍اپریل ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۱۲، ۱۳، جلد نمبر: ۷۳

اداریہ

پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی بھرپور زندگی کے اَسّی برس

استادِ محترم پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی ۲۸؍مارچ ۲۰۱۴ء کو 80 سال کے ہو جائیں گے۔ اس موقعے پر میں انھیں اپنی اور انجمن کی طرف سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کی صحت کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ اسی طرح آنے والے دنوں میں ہماری رہنمائی کرتے رہیں۔ قدوائی صاحب کے شاگرد ہونے کا مطلب علم اور تہذیب کے ساتھ زندگی کو ایک خاص نہج سے گزارنا بھی ہے۔ اس رویے میں جمہوری فکر کے ساتھ ساتھ وہ سنجیدگی بھی ہے جس کے نام پر عام طور پر لوگ ہمدردیاں حاصل کر لیتے ہیں لیکن قدوائی صاحب کے یہاں سنجیدگی کا مفہوم بڑا ہی مختلف ہے۔ انھوں نے کبھی غیر ضروری طور پر سنجیدگی کو اوڑھنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اپنے منصب سے کوئی خوف پیدا کیا۔ ان کی فطری شرافت اور قلندری کی بہت سی مثالیں ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ جن لوگوں نے انھیں قریب سے دیکھا ہے وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ذہنی آسودگی کس طرح دوسروں کے لیے بھی آسانیاں فراہم کرتی ہے اور اخلاقیات کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ لوگوں کو چند باتوں کی تلقین کرتے رہیں۔ قدوائی صاحب کے یہاں اخلاقیات کی جو صورت ہے اس میں نہ کوئی دکھاوا ہے اور نہ ہی خود کو سب سے الگ دیکھنے کا غرور۔ انھیں کلاس روم اور کلاس روم سے باہر دیکھتے اور سنتے ہوئے کئی دہائیاں گزر گئیں اور میں نے انھیں ہمیشہ چند باتوں کا پابند پایا۔ انھیں دیکھ کر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کی خوب صورتی کا راز بھی چند باتوں کو عملی سطح پر برتنے میں ہے۔ آپ جتنی باتیں کرتے ہیں اتنے ہی عمل سے دور بھی ہوتے جاتے ہیں اور علم کے حاصل کرنے کا سب سے اہم وسیلہ زندگی ہے اور زندگی خود ہی اپنا تعارف کراتی ہے۔ قدوائی صاحب کے یہاں تضادات کی نشان دہی بھی کی جا سکتی ہے وہ اس لیے کہ زندگی تو خطِ مستقیم پر نہیں گزر سکتی، لیکن میں ان تضادات کو کسی اور طرح سے دیکھتا ہوں شاید اسے فطری مزاج کا نام دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ تضادات سے مراد عمل کا مختلف موقعوں پر مختلف ہو جانا نہیں ہے۔ قدوائی صاحب نے ایک استاد کی حیثیت سے ہماری جس طرح تربیت کی اس میں وسیع النظری کا بڑا اہم کردار ہے۔ یہ وسیع النظری ہی ہے کہ ان کی گفتگو سے کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ انھوں نے حقیقت کو جامد شکل میں دیکھا ہے اور یہ کہ زندگی اور ادب کسی ایک رنگ، اور اسلوب کا نام ہے۔ اُن کے یہاں گو کہ وحدت پر بہت زور ملتا ہے مگر وہ بعض چیزوں پر شدت سے اصرار بھی کرتے ہیں۔ اُنھیں ہمیشہ اس کی فکر رہتی کہ علم و ادب کا کوئی شعبہ طالب علموں کی نگاہ سے اوجھل نہ رہ جائے۔ اب یہ طالب علموں پر ہے کہ وہ رد و قبول کے معاملے میں کیا موقف اختیار کرتے ہیں۔ عموماً پڑھاتے ہوئے لوگ کسی نہ کسی نظریے کی گرفت میں ہوتے ہیں، قدوائی صاحب کا معاملہ اس سلسلے میں ترقی پسندانہ رہا ہے یعنی تمام اہم لوگوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے اور جو باتیں اہم معلوم ہوں انھیں قبول کر لیا جائے۔ یہ بھی ان کی کشادہ ذہنی کی دلیل ہے کہ وہ طالب علموں کو ایک قاری کے طور پر پورا حق دیتے رہے ہیں کہ وہ ان کے موقف سے اختلاف کریں اور دلائل سے اپنی بات ثابت کریں۔



قدوائی صاحب نے کلاس روم سے باہر اپنے مزاج سے کبھی سمجھوتہ کرنے کی کوشش نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ باہر کی دنیا میں انھیں اس بات کی پوری آزادی ہے کہ وہ کس طرح زندگی اور ادب کو دیکھتے ہیں۔ پھر یوں ہوا کہ قدوائی صاحب کے مزاج کا ہر شخص نے خیال رکھا اور دھیرے دھیرے یہ گمان یقین میں بدلنے لگا کہ زندگی اور ادب کے بارے میں کسی قسم کی سخت گیری بعض اوقات دونوں کو بھونڈا بنا دیتی ہے لیکن سخت گیری ایک اصول کا نام بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ قدوائی صاحب نے ہمیشہ ذہن کو تازہ ہواؤں کے لیے کھلا رکھا ہے مگر اپنے ماضی کے اثاثے اور سرمایے پر ان کا اعتماد بھی بڑا مستحکم ہے۔ صدیق الرحمٰن قدوائی کی ذہانت نے کئی طرح سے اُن کے دوستوں اور طالب علموں کو نوازا ہے۔ وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں کہ بہت دیر بیٹھ کر کسی موضوع پر یوں ہی گفتگو کرتے رہیں بلکہ وہ بعض نکات کی جانب اشارہ کرکے خاموش ہو جاتے ہیں۔ اردو معاشرے میں جس چرب زبانی اور یوں ہی بولنے کی روش رہی ہے اُس کا کوئی تعلق قدوائی صاحب کی شخصیت سے نہیں ہے۔

پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کا انجمن ترقی اردو (ہند) سے بڑا ہی گہرا تعلق رہا ہے۔ اس وقت وہ انجمن کے صدر ہیں، ان کی نگرانی میں گزشتہ چند مہینوں میں اور اس سے پہلے بھی انجمن نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اُن کی سرپرستی میں انجمن اردو کے علاوہ دیگر زبان کے ادیبوں اور اداروں تک بھی رسائی حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ اُن کے مشورے پر حالیہ برسوں میں انجمن نے دو بین الاقوامی سیمینار بھی منعقد کیے جن میں ملک اور بیرونِ ملک سے بعض اہم شخصیتوں نے شرکت کی۔ مجموعی طور پر یہ دونوں سیمینار ان کی سربراہی میں نہایت ہی کامیاب رہے۔

میں ایک مرتبہ پھر استادِ محترم پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اُن کی صحت و سلامتی کے لیے دعا گو ہوں۔

اطہر فاروقی

اس شمارے میں:

انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام ہندستان کی مشترکہ تہذیب کا تاریخی پس منظر اور اردو ادب کے موضوع پر منعقدہ سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار کی رپورٹ اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام

'ہندستان کی مشترکہ تہذیب کا تاریخی پس منظر اور اردو ادب'

کے موضوع پر

سہ روزہ [۷ تا ۹ رمارچ ۲۰۱۴ء] بین الاقوامی سمینار کا انعقاد

نئی دہلی۔ 'ہندستان کی مشترکہ تہذیب کا تاریخی پس منظر اور اردو ادب' کے موضوع پر انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے سہ روزہ بین الاقوامی سمینار کا افتتاحی اجلاس ۷رمارچ ۲۰۱۴ء کو انجمن کے مرکزی دفتر اردو گھر میں پروفیسر شمیم حنفی کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں سب سے پہلے انجمن کے صدر پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے اپنے استقبالیہ کلمات میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی تاریخ اور اس کے اغراض و مقاصد پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ انجمن اپنے قیام سے ہی اردو کی ترقی اور فروغ کے لیے اہم خدمات انجام دیتی آرہی ہے۔ پورے برصغیر ہندو پاک میں انجمن اپنے کاموں کی وجہ سے جانی اور پہچانی جاتی ہے اور آج بھی وہ پوری تندہی سے اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ یہ سمینار بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ انجمن کے نئے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کی رہنمائی میں اردو کی ترقی اور فروغ کے کام مناسب طریقے سے انجام پائیں گے۔

ممتاز ناقد جناب شمس الرحمن فاروقی نے اس اجلاس میں نہایت ہی عالمانہ اور پُرمغز کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنے خطبے میں بہت ہی جامع اور مدلل طریقے سے بتایا کہ اردو کبھی بھی صرف فوج اور لشکر کی زبان نہیں رہی اور نہ ہی اس معنی میں اس کا استعمال ہے، اس سے تو منفی رویہ بھی ابھرتا ہے۔ انھوں نے مختلف ڈکشنریوں کے حوالے دیتے ہوئے کہا کہ بعض ڈکشنریوں میں ایسے معانی اور مفاہیم دیے گئے ہیں جن سے گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو ہمیشہ سے میل جول، رابطے اور بازار کی زبان رہی ہے اور یہ زبان باہمی اشتراک سے ہی پروان چڑھی ہے۔

ورجینیا یونیورسٹی (امریکہ) کی ڈاکٹر مہرافشاں فاروقی نے اردو زبان کی خوبیوں اور خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اردو ادب مختلف اصناف کا مجموعہ ہے جس میں نظم، افسانہ، ناول، قصیدہ اور مرثیہ سبھی کچھ شامل ہیں، یہ صرف غزل کا نام نہیں ہے بلکہ اردو زبان و ادب میں ہمارے تمام تہذیبی اور سماجی مسائل کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ آج کے اس جلسے میں، میں اپنی شرکت کو قابلِ فخر سمجھتی ہوں۔

اردو کے خاموش خدمت گزار اور ویب سائٹ ریختہ ڈوٹ او آر جی (rekhta.org) کے موجد جناب سنجیو سراف نے بھی اس موقع پر اپنے خیالات پیش کیے اور کہا کہ میں اردو زبان و ادب کا عالم نہیں ہوں لیکن اردو سے محبت ضرور کرتا ہوں۔ ہم اپنی ویب سائٹ www.rekhta.org کے ذریعے اردو زبان خاص طور سے شاعری کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تقریباً تین لاکھ افراد ہماری سائٹ دیکھ چکے ہیں، اس کی مقبولیت میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔

ورجینیا یونیورسٹی (امریکہ) کی ڈاکٹر گیتا پٹیل نے اردو کو شیریں اور دلکش زبان قرار دیتے ہوئے کہا کہ اردو محبت کی زبان ہے۔ امریکہ میں بھی اردو شاعری اور فلمی نغموں اور گیتوں کو پسند کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ آج کے اس جلسے میں اردو والوں کے بیچ میں بیٹھ کر مجھے انتہائی خوشی اور مسرت ہورہی ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین نے کہا کہ میں اتنے اہم موضوع پر سمینار منعقد کرنے کے لیے ڈاکٹر اطہر فاروقی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کے مختلف اجلاس میں اہم نکات پر مقالے پیش ہوں گے اور گفتگو ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ مشترکہ تہذیب کا نام آتے ہی اردو زبان کا نام بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے۔ مشترکہ تہذیب کے فروغ میں اردو زبان کا بہت نمایاں رول رہا ہے۔

پروفیسر سید عقیل الرحمن نے کہا کہ ہندستان میں مختلف زبانوں، رسوم اور مذاہب کے ماننے والے ہیں اور یہی اس کا سب سے اہم امتیاز ہے۔ انھوں



افتتاحی اجلاس کا ایک منظر:

تصویر میں (دائیں سے بائیں): جناب سنجیو سراف، پروفیسر سید عقیل الرحمن، پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی، پروفیسر شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر شمیم حنفی، ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین، ڈاکٹر مہرافشاں فاروقی اور ڈاکٹر گیتا پٹیل۔



سمینار کے پہلے دن کے دوسرے اجلاس کا ایک منظر

تصویر میں: جناب محمد مقیم، ڈاکٹر مہر افشاں فاروقی، جناب ثاقب عمران، ڈاکٹر محمد سجاد، ڈاکٹر وسیم راجا اور محترمہ نورالنسا، کو دیکھا جا سکتا ہے

نے ملک میں اردو زبان و ادب کی صورت حال کا بہت عمدہ جائزہ لیا اور کہا کہ ہندستان کی اردو ادب میں جس عمدہ طریقے سے عکاسی کی گئی ہے، ویسی دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔ پروفیسر عتیق الرحمن نے ادب اور زندگی میں ہم آہنگی اور موافقت پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ زبانوں کا دامن مختلف علوم کے ذریعے وسیع ہوتا ہے، اس لیے اردو ادب میں مختلف اصناف کے ساتھ سماجی اور سائنسی علوم کی شمولیت بھی ضروری ہے۔

پروفیسر اختر الواسع جو حال ہی میں کمشنر برائے لسانی اقلیات مقرر ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ والدین کو دستور میں یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی زبان کو خود طے کریں، لیکن اترپردیش میں یہ حق پوری طرح چھین لیا گیا ہے۔ دلی میں بھی اردو کے بہت سے مسائل ہیں جنھیں جمہوری طریقے سے حل کرنے کی ضرورت ہے۔

اس اجلاس کے صدر پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ یہ سمینار بہت ہی اہم موضوع پر منعقد ہو رہا ہے، اردو کے ساتھ مشترکہ کلچر کا ایک اعلامیہ لگا ہوا ہے۔ آج کی دنیا کی جو صورت حال ہے اس میں بغیر اشتراک کے آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہ اردو زبان ہندستان کی آئینہ دار اور ہندستان کی جمہوریت کو راست دکھانے والی زبان ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس تیز رفتار زمانے میں مشترکہ تہذیب کا بھی مسئلہ کھڑا ہے۔ اس کے تحفظ اور بقا کے لیے ہمیں سرگرم ہونا پڑے گا۔ اردو زبان عجیب و غریب زبان ہے، اس میں وہی وسعت، زرخیزی اور شادابی ہے جو اس سرزمین پر ہمیں دکھائی دیتی ہے۔

پروفیسر شمیم حنفی نے مزید کہا کہ انجمن کی بوڑھی رگوں میں جوان خون کی ضرورت تھی۔ مجھے امید ہے کہ انجمن کے جواں سال جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کی سربراہی میں انجمن اپنے اغراض و مقاصد میں کامیاب ہوگی۔

آخر میں ڈاکٹر اطہر فاروقی نے اپنے تشکراتی کلمات میں تمام مندوبین اور شرکا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اس سمینار کے ذریعے ہم ان تمام لوگوں سے رابطہ استوار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جنھیں اردو سے محبت اور لگاؤ ہے۔ اس اجلاس کی نظامت غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر رضا حیدر نے بحسن و خوبی انجام دی۔

دوسرا اجلاس

افتتاحی اجلاس کے بعد سہ پہر تین بجے ڈاکٹر محمد سجاد کی صدارت میں دوسرا اجلاس 'مشترکہ تہذیب پر اردو شاعری کا عکس' کے عنوان سے منعقد ہوا، جس میں محترمہ مہر افشاں فاروقی نے اپنے مقالے کے ذریعے بتایا کہ غالب مشکل پسندی کے شاعر کہے جاتے ہیں لیکن ان کی یہ مشکل پسندی الفاظ کی پیچیدگی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے خیالات و افکار کے انتشار اور الجھاؤ کی وجہ سے ہے۔

جناب وسیم راجا نے اپنا مقالہ 'فروغ اردو' کے موضوع پر پڑھا اور امیر خسرو سے غالب تک کے ادوار پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے اردو اور فارسی کے ہندو اسکالروں کی خدمات کا ذکر کیا اور بتایا کہ یہ ہندو اسکالرز اپنے زمانے کے مستند شاعر اور صاحب علم و بصیرت اشخاص تھے۔

محترمہ نورالنسا، نے اپنا مقالہ 'اردو شاعری اور مشترکہ تہذیب' کے عنوان سے پڑھا اور کہا کہ اردو زبان کی تاریخ گویا ایک ہزار سالہ ہندستان کی تاریخ ہے۔ اردو شاعری اپنے ابتدائی دور ہی سے مشترکہ گنگا جمنی تہذیب کی امین رہی ہے۔ خاص طور سے اکبر کے زمانے میں اس مشترکہ تہذیب کو خوب پروان چڑھنے کا موقع ملا۔

جناب محمد مقیم نے 'مشترکہ تہذیب اور تاج کی غزل گوئی' کے عنوان سے مقالہ پڑھا اور مشترکہ تہذیب اور اقدار کی اہمیت اجاگر کی اور کہا کہ تاج نے اپنی شاعری میں گنگا کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔

اس اجلاس کا آخری مقالہ جناب ثاقب عمران نے 'سراج کی شاعری میں مشترکہ تہذیب' کے عنوان سے پیش کیا۔

آخر میں اس اجلاس کے صدر ڈاکٹر محمد سجاد نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ پیش کیے گئے تمام مقالے اہم موضوعات کو محیط ہیں۔ مقالہ نگاروں نے موضوع کے خاص پہلوؤں پر بہت عمدہ روشنی ڈالی۔

اس موقعے پر ممتاز اسکالر چودھری محمد نعیم (شکاگو)، دلی اردو اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی، جناب شاہد ماہلی، جناب محمد نسیم، جناب راغب الدین، ڈاکٹر سہیل احمد اور جناب عبدالوحد کے علاوہ بڑی تعداد میں ادیبوں، شاعروں،



سمینار کے دوسرے دن کے پہلے اجلاس کا ایک منظر

تصویر میں (دائیں سے بائیں): ڈاکٹر راجیش کمار، پروفیسر تصدق حسین، پروفیسر حمید رنجیل، ڈاکٹر شاہد حسن کمال اور ڈاکٹر گریش چندر پانڈے



تھیٹر کی دنیا کی ممتاز شخصیت جناب ٹوم آلٹر سمینار سے خطاب کرتے ہوئے۔ ساتھ میں ڈاکٹر گیتا پٹیل اور ڈاکٹر اطلے این پی کو بھی دیکھا جاسکتا ہے

صحافیوں اور محبانِ اردو نے شرکت کی۔

۸؍مارچ ۲۰۱۴ء

تیسرا اجلاس

انجمن ترقی اردو (ہند) کے سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار کے دوسرے دن کا پہلا اور سیمینار کا تیسرا اجلاس صبح ساڑھے دس بجے معروف مورخ ڈاکٹر جہیدر پٹیل (کولکاتا) کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں علم و ادب اور تاریخ کی اہم شخصیتوں نے مقالے پیش کیے۔ اجلاس کا پہلا مقالہ ممتاز اسکالر پروفیسر تصدق حسین نے صوفی ازم اور اردو کے موضوع پر پڑھا، جس میں انھوں نے بہت ہی جامع اور واضح طریقے سے صوفی ازم کی تشکیل، نیز اس کے آغاز و ارتقا اور اس کے مختلف سلسلوں پر بہت عمدہ روشنی ڈالی اور کہا کہ اردو کی ترویج و اشاعت میں صوفیائے کرام کا اہم رول رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان کے مختلف شہروں کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی صوفیائے کرام ہمارے ملک میں آئے اور تبلیغ و اشاعت کے لیے یہاں کی مقامی بولیوں اور زبانوں، خاص طور سے اردو سے استفادہ کیا۔ انھوں نے 'کشف المحجوب' کو صوفی ازم کی بہت اہم کتاب قرار دیا۔

ڈاکٹر شاہد حسن کمال (پاکستان) نے 'ہمارے ادب کا المیہ' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا، جس میں انھوں نے کہا کہ اردو ادب خاص طور سے اردو شاعری میں ایسی بہت سی باتیں کہی گئی ہیں جن کا زندگی اور زمین سے تعلق نہیں۔ کبیر داس پہلا شاعر تھا جو ارتباط اور مذہبی اتحاد کا حامی رہا ہے۔ امیر خسرو کی بھی خاص بات یہی ہے کہ ان کی شاعری زمین سے ہم آہنگ تھی۔ اردو میں جیسی نظیر اکبرآبادی ایسے شاعر نظر آتے ہیں جنھوں نے بہت ہی سہل اور سادہ زبان میں زمین سے جڑے موضوعات کو شاعری کا حصہ بنایا، یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی ہر خاص و عام کے پسندیدہ شاعر ہیں۔

ڈاکٹر گریش چند پانڈے نے اپنا مقالہ 'وہابی تحریک' کے موضوع پر پڑھا، جس میں انھوں نے اس تحریک کے قائدین سید احمد شہید اور دوسرے عالموں کی قربانیوں کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے بھی زبانوں کو آسان اور سہل بنانے کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کی امین اردو زبان ہے، اس لیے اردو کی بقا اور تحفظ کا مطلب مشترکہ تہذیب کا تحفظ ہے۔

بچوں کے ادیب ڈاکٹر راجیش کمر نے کہا کہ سیمینار کے مختلف اجلاسوں میں مشترکہ تہذیب، روایات اور اقدار کی نہ صرف بات کی گئی بلکہ اس کا عملی نمونہ آج کے اس اجلاس کا نتیجہ ہے جہاں مختلف زبانوں اور کلچر سے وابستہ حضرات برا جمان ہیں۔ یہ بڑی اہم اور خوشی کی بات ہے۔ انھوں نے بچوں کے مختلف قلم کاروں کی تحریروں کے حوالے سے بچوں کی نفسیات کا بہت عمدہ تجزیہ کیا اور بتایا کہ بچے فطرتاً انصاف پسند ہوتے ہیں اور وہ ذات، مذہب اور زبان کی بنیاد پر تفریق کے قائل نہیں۔ وہ رائی کو پہاڑ نہیں بناتے۔ راجیش کمر صاحب نے زبان کی ترقی اور فروغ کے لیے اسے اپنے گھروں میں رائج کرنے پر زور دیا۔

آخر میں جلسے کے صدر پروفیسر جہیدر پٹیل نے پیش کیے گئے تمام مقالوں پر عالمانہ گفتگو کی اور بتایا کہ خوشی کی بات ہے کہ ان مقالوں سے علم و ادب کے بہت سے در بیچے وا ہوئے ہیں اور امید ہے کہ بعد کے اجلاسوں میں بھی کئی اور اہم موضوعات زیر بحث آئیں گے۔ اس اجلاس میں کئی مقالوں پر کھل کر بحث و مباحثہ بھی ہوا اور مقالہ نگاروں سے سوالات بھی کیے گئے جن کا انھوں نے بہت ہی متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا۔

چوتھا اجلاس

چائے کے وقفے کے بعد آج کا دوسرا اور سیمینار کا چوتھا اجلاس پروفیسر چمن تیواری کی صدارت میں شروع ہوا، جس میں پہلا مقالہ ڈاکٹر گیتا پٹیل (امریکہ) نے 'میراجی اور جدید اردو' کے عنوان سے پڑھا۔ انھوں نے کہا کہ میراجی اور میراجی جو کسی حد تک اپنے نام کی وجہ سے مماثلت رکھتے ہیں، مختلف زمانوں کے ہوتے ہوئے ان کے کلام میں بھی مماثلت ملتی ہے۔ انھوں نے اپنی چیزوں کو امریکی آنکھوں سے دیکھنے کے بجائے خود اپنی یعنی ہندستانی آنکھوں سے دیکھنے پر زور دیا۔

'نظیر اکبرآبادی اور ان کی خدمات' کے عنوان سے ڈاکٹر یاراں



انجمن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی اور جناب ٹوم آلٹر

فاروقی نے اپنا مقالہ پڑھا۔ انھوں نے نظیر کی نظمیں 'بدھیؤ'، 'آدمی نامہ' اور 'ریچھ کا بچہ' پر روشنی ڈالتے ہوئے آگرے شہر کے پس منظر میں ان کی تربیت اور نشو ونما پر خاص توجہ دی۔ بارال فاروقی صاحب نے نظیر اکبرآبادی کو محض بازاروں کا شاعر کے بجائے عوامی شاعر قرار دیا۔

محترمہ شبیہ اقبال ہاشمی نے 'عورتوں کی لڑائی ملا سے اور محلے میں' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا اور عطیہ حسین اور قرۃ العین حیدر کے حوالے سے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں عورتیں کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اب عورتیں اپنے حقوق کی لڑائی کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ منظم ہو کر لڑ رہی ہیں اور انھیں اپنی لڑائی میں کامیابی بھی مل رہی ہے۔

جناب اینڈریو المسٹر (امریکہ) نے اپنے مقالے میں بہت ہی خوب صورتی سے اردو زبان کے ارتقا پر روشنی ڈالی اور مستقبل میں اس کے روشن امکانات کے لیے اپنی امیدیں ظاہر کیں۔

آخر میں صدر اجلاس پروفیسر چمن تیواری نے اپنے صدارتی کلمات میں تمام مقالوں پر مختصراً روشنی ڈالی اور کہا کہ تمام مقالے اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت اہم اور عالمانہ تھے۔

پانچواں اجلاس

سیمینار کے دوسرے دن کے تیسرے اور آخری اجلاس کی صدارت پروفیسر جمشید رچپل نے فرمائی اور جس میں چھے مقالے پیش کیے گئے۔ پہلا مقالہ ڈاکٹر محمد سجاد نے 'بہار کے سواتی ادب میں مشترکہ ادب کی عکاسی' کے موضوع پر پڑھا، جس میں انھوں نے بہار کے سواتی ادب پر لکھی گئی مختلف کتابوں کا ذکر کیا اور مشترکہ تہذیب کی عکاسی میں ان کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ دوسرا مقالہ ڈاکٹر مظفر حسین سید نے پڑھا جس میں انھوں نے ہندستان میں اردو کے مسائل پر نہ صرف روشنی ڈالی بلکہ ان کے حل کے لیے بہت ہی مفید تجاویز بھی پیش کیں۔ انھوں نے اردو کی بقا، تحفظ اور اس کے حقوق کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمات کو سراہا۔ تیسرا مقالہ ڈاکٹر جاوید رحمانی نے 'اردو شاعری کا قلندرانہ آہنگ' کے عنوان سے پڑھا، جس میں انھوں نے کہا کہ قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں جس خلوص اور جذبے سے کام کیا گیا آج اس کا فقدان ہے۔ ڈاکٹر قمر عالم کے مقالے کا عنوان 'ہندستان کی مشترکہ تہذیب میں غیر مسلم نعت گو شعرا کا حصہ' تھا، جس میں انھوں نے کہا کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے فروغ میں غیر مسلم نعت گو شعرا کی خدمات کو کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جناب عبدالسمیع نے 'مرزا محمد رفیع سودا کا تصور انسان' کے عنوان سے مقالہ پڑھا، جس میں انھوں نے سودا کی شاعری میں مذہبی رواداری اور انسان دوستی کے عناصر پر بہت عمدہ روشنی ڈالی اور سودا کے اشعار پیش کر کے ان کی وسیع المشربی اور کشادہ ذہنی کی طرف توجہ دلائی۔ اس اجلاس کا آخری مقالہ جناب نوشاد منظر نے 'ولی دکنی کی شاعری میں ہندستانی عناصر' کے عنوان سے پڑھا، جس میں انھوں نے کہا کہ ولی دکنی نے اپنی شاعری میں ہندستانی عناصر کی ترجمانی بڑی عمدگی سے کی ہے۔

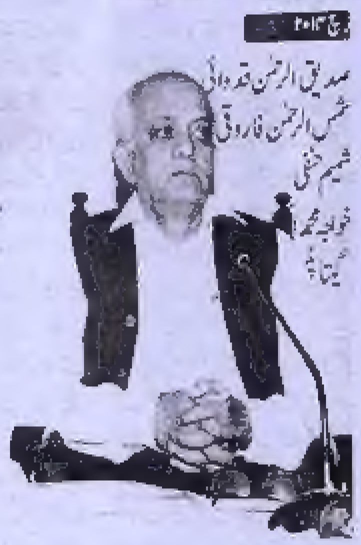
آخر میں صدر جلسہ نے تمام مقالوں پر گفتگو کی اور خوشی کا اظہار کیا کہ ان نوجوان اسکالروں نے بڑی محنت سے اپنے مقالے تحریر کیے اور اپنے موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔

۹ مارچ ۲۰۱۴ء

چھٹا اجلاس

انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام منعقد سہ روزہ (۷ تا ۹ مارچ) بین الاقوامی سیمینار کا آخری دن اس لحاظ سے بہت اہم رہا کہ اس کے پہلے اور





پروفیسر علی احمد فاطمی اور پروفیسر جمشید رچپل

سیمینار کے پہلے اجلاس میں جو اردو تھیٹر کے لیے مخصوص تھا، تھیٹر کی دنیا کی ممتاز شخصیت جناب ٹوم آلٹر نے نہ صرف شرکت کی بلکہ بہت ہی شستہ زبان میں تھیٹر اور فلم کی دنیا کے اپنے بہت سے تجربات اور مشاہدات سے روبرو کرایا اور کہا کہ تھیٹر اور فلم سماج اور معاشرے میں بیداری لانے کا بہت اہم ذریعہ ہیں۔ اس موقعے پر انھوں نے اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے کہا کہ میری پیدائش مسوری کی ہے اور میرا بچپن اردو ماحول میں گزرا۔ انھوں نے اپنے آپ کو مولانا ابوالکلام آزاد کا مداح بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے ان کی کچھ چیزیں پسند ہیں تو کچھ چیزیں ناپسند بھی۔ اردو، ہندی تنازع کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ زبان کے معاملے میں ہمیں تھوڑا وسیع النظر بننا پڑے گا اور جس زبان کی وکالت گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے کی یعنی 'ہندستانی' کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اردو اور ہندی کو لے کر ہمیں بہت زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے اردو رسم خط سیکھنے کی بھی پرزور وکالت کی۔

اس سے پہلے پروفیسر چمن تیواری نے اپنا مقالہ پیش کیا، جس میں انھوں نے کہا کہ زبان، کلچر اور ادب کی بنیاد ہے۔ انھوں نے تھیٹر کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے سماج کے لیے بہت اہم قرار دیا اور کہا کہ







سیمینار کے اختتامی اجلاس میں ممتاز مورخ اور ٹفٹس یونی ورسٹی، امریکہ کی پروفیسر عائشہ جلال اختتامی خطبہ پیش کرتے ہوئے، ساتھ میں ڈاکٹر اطہر فاروقی اور پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کو بھی دیکھا جا سکتا ہے

ڈرامے کے کردار کے مطابق زبان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ انھوں نے اردو ہندی کے باہمی اشتراک پر بھی روشنی ڈالی۔

تھیٹر کی دنیا کی دوسری اہم شخصیت جناب دانش اقبال، انھوں نے ڈراما اسکرپٹ پر بہت ہی اہم مقالہ تحریر کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں مختلف حالات کے ساتھ اردو زبان، کلچر اور ڈرامے کے وجود اور تحفظ کے لیے جدوجہد کرنی ہی پڑے گی۔ انھوں نے اس موضوع پر چند روز مرہ کی مثالیں، جو فیشن اور ان کی زبان کے تعلق کی بنیاد پر تحریر کردہ اہم ڈرامے ہیں ان کے مشکلات پر بہت عمدہ روشنی ڈالی۔

دانش اقبال صاحب نے ڈرامہ نگاری کے میدان میں انھیں جن مسائل اور دقتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان کا بھی تذکرہ کیا۔

اس اجلاس کے آخری مقالہ نگار (ڈاکٹر اشرف این۔ پی۔) نے تھیٹر کے میدان میں سرگرم مختلف تھیٹر مراکز خاص طور پر اردو ڈراموں اور ڈرامانگاروں کا ذکر کیا اور کہا کہ سیاسی وجوہ کی بنا پر اردو اور ہندی کے درمیان فاصلے قائم کیے گئے ورنہ زبانیں تو باہمی میل جول اور ارتباط کا ذریعہ ہیں۔ انھوں نے بہت تفصیل سے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس اجلاس کی صدارت ورجینیا یونیورسٹی (امریکہ) کی ڈاکٹر گیتا پٹیل نے فرمائی۔

اس اجلاس میں اردو، ہندی اور ہندستانی کے موضوع پر بہت ہی عمدہ اور مفید گفتگو کی گئی اور اس سلسلے میں کئی سوالات بھی قائم کیے گئے جن کے جناب ٹوم آلٹر اور جناب دانش اقبال نے بہت ہی نرم لب و لہجے میں تسلی بخش جواب دیے۔

ساتواں اجلاس

بین الاقوامی سمینار کے آخری دن کا دوسرا اور سمینار کا ساتواں اجلاس پروفیسر علی احمد فاطمی کی صدارت میں شروع ہوا، جس میں سب سے پہلے جناب سیف الدین احمد نے اردو زبان کی تشکیل اور اس کی ترقی و ترویج کے بارے میں روشنی ڈالی اور کہا کہ اردو کا خمیر ہی مشترکہ کلچر سے پیدا ہوا ہے۔ نظیر اکبرآبادی کی نظم گرو نانک جی کے حوالے سے اور نواب رام پور کے کردار کو بھی اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں اہم قرار دیا۔

محترمہ رضا صدیقی زماں نے، جو انگریزی روزنامہ اخبار 'دی ہندو' میں آرٹ اینڈ کلچر شعبے کو دیکھتی ہیں، اپنے مقالے میں میڈیا کے ذریعے آرٹ اینڈ کلچرل پروگرام اور خاص طور سے اردو اداروں کے ذریعے آرگنائز کیے گئے پروگراموں کو نظر انداز کیے جانے کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ ہمیں مسلسل اس مسئلے کو اٹھاتے رہنا چاہیے اور اپنی آمدنی کا کچھ حصہ پبلسٹی کے لیے بھی خرچ کرنا چاہیے اس کے بغیر ہم اپنی پبلسٹی نہیں کر سکتے۔

پروفیسر حمید رنجیل صاحب جو دو دنوں سے اس سمینار کو دیکھ رہے ہیں، اس اجلاس میں ان کو بھی مقالہ پڑھنا تھا لیکن انھوں نے مقالے کی بجائے اپنے تاثرات کو بہت ہی دکھ درد کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو اپنے محدود دائرے سے باہر آنا چاہیے۔ ہم ابھی تک انیسویں صدی ہی کے جھگڑے میں پھنسے ہوئے ہیں اور تناؤ کے شکار ہیں، جب اردو زبان کی بات ہم کرتے ہیں تو ہندی سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے اپنی تقریر میں مزید کہا کہ یہاں دو تاریخیں ہیں، ایک تاریخ وہ ہے جو کتابوں میں ہے اور دوسری تاریخ وہ ہے جو ہمارے اور عوام کے ذہنوں میں ہے اور یہی اہم ہے۔ ہم اپنے اندر کی تاریخوں کو سمیٹے ہوئے ہیں اس لیے آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم حال سے ماضی کی طرف جائیں اور جب ہم ماضی میں جائیں گے تو دیکھیں گے کہ ۱۸۵۰ء سے قبل ہم آپس میں کبھی نہیں لڑے ہیں۔ یہ تمام جھگڑے ۱۸۵۰ء کے بعد کے پیداوار ہیں، اس لیے ہمیں انیسویں



جناب ٹوم آلٹر (مولانا ابوالکلام آزاد کے کردار میں)

صدی کو پیچھے چھوڑ کر اکیسویں صدی کی طرف بڑھنا ہوگا تبھی ہم امن و سلامتی سے رہنا سیکھ پائیں گے۔

عنایت علی زیدی اور سیما زیدی صاحبان نے جو دونوں میاں بیوی ہیں، ایک ہی مقالے کو نصف نصف کرکے پڑھا، جس میں انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے حوالے سے اردو زبان اور مشترکہ کلچر کے فروغ کا ذکر کیا اور کہا کہ مشترکہ کلچر کے بغیر اردو زبان پروان چڑھ ہی نہیں سکتی تھی۔

آخر میں صدر جلسہ پروفیسر علی احمد فاطمی نے جو کسی وجہ سے اپنا مقالہ 'مشترکہ تہذیب، روایت اور حقیقت' پہلے اجلاس میں نہیں پڑھ پائے تھے، اس اجلاس میں پڑھا۔ یہ پورا مقالہ اسی شمارے کے صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اختتامی اجلاس

انجمن ترقی اردو (ہند) کے سہ روزہ بین الاقوامی سمینار کے اختتامی اجلاس میں ممتاز مورخ اور ٹفٹس یونیورسٹی، امریکہ کی پروفیسر عائشہ جلال نے اختتامی خطبہ پیش کیا، جس میں انھوں نے اردو زبان کی تشکیل، آغاز اور بتدریج ارتقا اور پھر آزادی اور تقسیم کا وقوع ہونا نیز آزادی کے بعد کی خوں ریز اور ہولناک صورت حال کا بہت عمدہ تاریخی جائزہ لیا۔ انھوں نے زبان کو مذہب اور فرقے سے جوڑنے کو خطرناک قرار دیا اور کہا کہ زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ انھوں نے تاریخی حوالوں سے اردو اور ہندی تنازع کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ اس تنازع کو آگے بڑھانے میں فرقہ وارانہ سیاست اور مفاد پرستوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

سمینار کے آخری دن شام ۶ بجے ایک نہایت ہی اہم اور دل چسپ پلے 'مولانا آزاد' تھیٹر کی دنیا کی مشہور شخصیت ٹوم آلٹر کی اداکاری اور ڈاکٹر ایم سعید عالم کی ہدایت کاری میں پیش کیا گیا۔ ٹوم آلٹر نے مولانا ابوالکلام آزاد کا کردار بہت ہی عمدہ طریقے سے ادا کیا۔ انھوں نے مولانا آزاد کی زندگی سے متعلق ان تمام چیزوں، واقعات اور اشخاص کا ذکر نہایت ہی دل چسپ انداز میں کیا جن کے بغیر مولانا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس پلے کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے اب تک دنیا بھر میں 135 شوز ہو چکے ہیں اور یہ 136واں شو ہے۔ اس پلے کو ناظرین نے بہت ہی سنجیدگی اور دل چسپی سے دیکھا۔

(رپورٹ: محمد عارف خاں)

***



شرکا کا ایک منظر

اردو دُنیا

دہلی سرکار کے اردو میڈیم اسکولوں میں اردو اساتذہ کی قلت

نئی دہلی (۱۵ فروری)۔ دہلی سرکار کے اردو میڈیم اسکولوں کی حالت بہت خراب ہے اور عدالت کے حکم کو تقریباً دو سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک اردو اساتذہ کی تقرری کا عمل شروع نہیں ہو سکا ہے اور افسر شاہی کا جو رویہ ہے اس کے پیش نظر مستقبل قریب میں اس کی کوئی امید بھی نہیں ہے۔ دہلی سرکار کے محکمہ تعلیم کو اس میں کسی طرح کی کوئی دل چسپی بھی نظر نہیں آرہی ہے۔ تعلیمی کام کے لیے سرگرم تنظیم نواے حق کے صدر اسعد غازی نے اس سلسلے میں سروے کرنے کے بعد لیفٹننٹ گورنر سے شکایت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ اردو میڈیم اسکولوں میں اسٹاف کی کمی کو پورا کروایا جائے۔

دہلی کے سب سے بڑے مسلم اکثریتی علاقہ سیلم پور میں واقع زینت محل گرلز سینئر سیکنڈری اسکول میں 80 فیصد اسٹاف موجود ہے اور 20 فیصد اسٹاف کی کمی ہے، جو 80 فیصد اسٹاف موجود ہے اس میں بھی محض 10 فیصد اسٹاف ہی اردو جاننے والا ہے، جب کہ 90 فیصد اسٹاف اردو سے نابلد ہے۔ اس کی وجہ سے اس اسکول میں طالبات کی پڑھائی متاثر ہوتی ہے۔ مختلف اوقات میں پرنسپلوں کے لکھے جانے کے باوجود محکمہ تعلیم نے بھی سنجیدہ قدم نہیں اٹھایا۔ قریش نگر واقع گورنمنٹ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول میں تو حالت اور بھی زیادہ خراب ہے۔ یہاں کل 12 افراد کا اسٹاف ہے اور ان میں ایک بھی ٹیچر اردو نہیں جانتا ہے۔ یہاں اردو میڈیم کے طلبہ کو ہندی میڈیم کے اساتذہ پڑھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اردو سے نابلد ہونے کے سبب وہ تمام مضامین تو پڑھا نہیں سکتے کیوں کہ وہ اردو اصطلاحات سے واقف نہیں۔ ایسے میں طلبہ کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور سرکار کی اس نااہلی کی وجہ سے ان کے نتیجے پر بھی منفی اثر پڑتا ہے۔ اسعد غازی نے لیفٹننٹ گورنر نجیب جنگ سے مطالبہ کیا ہے کہ دہلی سرکار کے اردو میڈیم اسکولوں کے طلبہ کے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے ان اسکولوں میں اردو اساتذہ کے تقرر کو ترجیح دی جائے۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

اردو مترجمین مہاسنگھ کی ہائی کورٹ میں دائر عرضی خارج

مظفر نگر (۱۰ مارچ)۔ اتر پردیش اردو مترجمین سنگھ کے ذریعے صوبے کے اردو مترجمین کو صوبائی سکریٹریٹ میں تعینات مترجمین کی طرز پر تنخواہ دیے جانے کی ہائی کورٹ میں دائر رٹ پٹیشن عدم پیروی کی وجہ سے خارج کردی گئی۔

مہاسنگھ کے سابق ضلع صدر سعید الحسن اور ذکریا وغیرہ نے ۲۰۰۳ء میں عدالت کی پناہ لی تھی، لیکن رٹ دائر کرنے کے بعد صحیح طریقے پر پیروی نہ ہونے کی وجہ سے معاملے کو خارج کردیا گیا۔ ہائی کورٹ میں جسٹس دلیپ گپتا نے فیصلہ سناتے ہوئے رٹ خارج کردی ہے۔ واضح ہو کہ طویل عرصے سے اردو مترجمین کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جارہا تھا۔ جب سرکار نے اس معاملے میں کوئی دل چسپی نہیں لی تو مترجمین مہاسنگھ نے ہائی کورٹ کی الہ آباد بنچ میں رٹ دائر کی تھی جو مناسب پیروی نہ ہونے کی وجہ سے خارج کردی گئی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

پروفیسر اختر الواسع کمشنر برائے لسانی اقلیات نامزد

نئی دہلی (۹ مارچ)۔ صدر جمہوریہ پرنب مکھرجی نے مرکزی وزارت برائے اقلیتی امور کی سفارش پر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے ڈائرکٹر پروفیسر اختر الواسع کو کمشنر برائے لسانی اقلیات نامزد کیا ہے۔

اختر الواسع کمیشن کے بارہویں اور ایسے پہلے کمشنر برائے لسانی اقلیات ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے۔ کمشنر برائے لسانی اقلیات ایک دستوری عہدہ ہے جو آئین کی دفعہ 350B کے تحت قائم ہے۔ قومی کمیشن برائے لسانی اقلیات ۱۹۵۷ء سے قائم ہے اور ملک بھر میں لسانی اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کی نگرانی اور تحفظ کا کام انجام دیتا ہے۔

پروفیسر اختر الواسع ۱۹۸۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بطور لیکچرر وابستہ ہوئے اور ۱۹۹۱ء میں پروفیسر ہوئے۔ ۱۹۹۹ء سے ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے مستقل ڈائرکٹر ہیں۔ اردو اکادمی دہلی کے منتخب نائب صدر اور وائس چیئرمین رہے ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے مرکزی وزارت برائے فروغ انسانی وسائل کو اردو کے فروغ کے حوالے سے ایک اہم رپورٹ پیش کی ہے۔ اختر الواسع قومی کمیشن کے علاوہ مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے مختلف حیثیتوں سے وابستہ ہیں۔ گزشتہ برس انھیں پدم شری کے قومی اعزاز سے بھی نوازا جاچکا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

کمرہٹی میں اردو میڈیم گرلس اسکول اور اردو کالج کی ضرورت

راجیہ سبھا ممبران ندیم الحق و احمد حسن عمران کی ہرممکن تعاون کی یقین دہانی

شمالی چوبیس پرگنہ (۲۳ فروری)۔ مغربی بنگال کی وزیر اعلا ممتا بنرجی مسلمانوں کے تئیں پوری ہمدردی رکھتی ہیں۔ وہ ریاستی اقلیتوں کے سلسلے میں سچر کمیٹی اور رنگا ناتھ مشرا کمیشن نے جو سفارشات پیش کی ہیں ان پر عمل آوری کی حد درجہ کوشش کررہی ہیں۔ کمرہٹی میں آج ایک یونین کا جونیئر ہائی اسکول کو منظوری دی گئی ہے لیکن یہاں ایک گرلس ہائی اسکول کی بھی ضرورت ہے۔ یہی نہیں بلکہ کمرہٹی والوں کے لیے ایک اردو کالج بھی قائم ہونا چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں طلبہ کے ساتھ ساتھ طالبات بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار ندیم الحق ایم پی اور سابق مرکزی وزیر پروفیسر سوگت رائے نے کمرہٹی یونین کا جونیئر ہائی اسکول کی منظوری کے بعد آج کیمپس میں سنگ بنیاد کی تقریب میں کیا۔ دوسری جانب انھوں نے بتایا کہ بھیروپ گنگولی کالج میں اردو سے ایم اے کی تعلیم کا نظم ہوا ہے اور اس کے فروغ کے لیے ایم پی فنڈ سے دس لاکھ روپے دیے گئے۔ اس کالج کے صدر مدن مترا ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ آج ہی مرزا غالب اردو پرائمری اسکول کے سنگ بنیاد کا پروگرام ہے اس کے لیے بھی تین لاکھ ۶۵ ہزار روپے دیے گئے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح دوسرے اردو اسکول، مدرسے کو بھی اپنے فنڈ سے رقم فراہم کی گئی ہے کیوں کہ میں بنیادی طور پر درس و تدریس کا آدمی ہوں۔ نو منتخب راجیہ سبھا ایم پی احمد حسن عمران نے کہا کہ مجھے یہاں آکر بہت خوشی ہو رہی ہے کہ یہاں کثیر تعداد میں بچیاں موجود ہیں۔ یہ مزدوروں کا علاقہ ہے مگر اب مزدوروں کے بچے بھی تعلیم حاصل کرکے آگے بڑھیں اور اپنے علاقے اور ملک و قوم کا سر فخر سے اونچا کریں۔ اس کے لیے ہماری وزیر اعلا ممتا بنرجی غور و فکر کررہی ہیں۔ اس موقع پر ایم پی محمد ندیم الحق نے کہا کہ ہماری وزیر اعلا ممتا بنرجی نے اپنے اقتدار کے ایک ہفتے کے اندر اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا اعلان کردیا۔ دوسرا کارنامہ ابھی کل کی ہی بات ہے کہ ۱۰۴ طالبہ کا مستقبل داؤ پر تھا لیکن انھوں نے بذات خود مداخلت کی اور ان کی ایک سال قیمتی زندگی برباد ہونے سے بچا لیا۔ انھیں مادھیامک امتحان میں شرکت کرنے کا پروانہ مل گیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ سابق صدر جمہوریہ اے پی جے عبدالکلام نے کہا تھا کہ بچے بڑے خواب دیکھا کریں۔ اس لیے میں بچوں کے سرپرستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے بچوں کو بڑے بڑے خواب دکھائیں۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

ٹیلی ویژن کی دنیا کا منفرد اور اہم پروگرام 'کتابوں کی دنیا'

نئی دہلی (پریس ریلیز)۔ ڈی ڈی اردو پر چلنے والا اہم اور منفرد پروگرام 'کتابوں کی دنیا' کو اردو اور غیر اردو داں طبقوں سے بے حد داد و تحسین مل رہی ہے۔ 13 اپی سوڈ پر مشتمل یہ ادبی پروگرام 13 خاص کتابوں پر مذاکرے کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔ 'کتابوں کی دنیا' میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر رضا حیدر نے بہ حیثیت منتظم اور اینکر بہت ہی اپنا بھرپور تعاون پیش کیا ہے۔ اس پروگرام کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر کتاب پر ماہر ایک اسپیشلسٹ کے ساتھ کتاب کے ہر پہلو پر گفتگو کرتے ہیں۔ 30 منٹ کا یہ پروگرام ہر منگل رات ۹ بجے ڈی ڈی اردو سے نشر کیا جاتا ہے۔ تفہیم غالب، غالب اور بدایوں، جموں کی بہار، فیض فہمی، جوش ملیح آبادی حیات و خدمات، غالب: احوال و آثار، ممتاز حسین، محمد حسن حیات و خدمات، مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا، اردو ہے جس کا نام، جیسی اہم کتابوں پر پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی، پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر عتیق اللہ، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، ڈاکٹر علی جاوید، ڈاکٹر خالد علوی، پروفیسر ارتضیٰ کریم، پروفیسر عراق رضا زیدی، شاہد ماہلی، رحمان، اشفاق عارفی، پروفیسر اسلم پرویز اور پروفیسر شریف حسین قاسمی جیسے اہم ادیبوں اور دانشوروں نے گفتگو کی ہے۔

ڈاکٹر لطیف سبحانی کو مہاراشٹر اردو اکادمی کا 'ہارون رشید صحافتی ایوارڈ'

امراوتی۔ معروف شاعر، ادیب اور صحافی ڈاکٹر لطیف سبحانی کو ان کی صحافتی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی ممبئی کی جانب سے 'ہارون رشید صحافتی ایوارڈ' مہاراشٹر کے وزیر اعلا جناب پرتھوی راج چوہان کے ہاتھوں تفویض کیا گیا۔ اس سے پہلے ڈاکٹر لطیف سبحانی کئی ایوارڈ سے نوازے جاچکے ہیں۔ وہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن دہلی کے تحت ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے دس برس تک صحافت پر تحقیقی کام کرتے رہے ہیں۔ ان کی تصنیف 'ودربھ میں اردو صحافت' ملک کی کئی یونیورسٹیوں کے ایم اے اردو کے نصاب میں حوالہ جاتی کتب کے تحت شامل ہے۔ وہ کئی موقر اخبارات و رسائل سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

پروفیسر صغریٰ مہدی کی وفات پر اردو گھر میں تعزیتی جلسہ

نئی دہلی۔ اردو کی مشہور و ممتاز ادیب، افسانہ نگار اور ناول نگار پروفیسر صغریٰ مہدی ۱۷ مارچ ۲۰۱۴ کی صبح انتقال کر گئیں۔ ان کی تدفین بعد نماز ظہر جامعہ قبرستان میں عمل میں آئی۔ پروفیسر صغریٰ مہدی کی وفات پر ۱۸ مارچ ۲۰۱۴ کو انجمن ترقی اردو (ہند) کے مرکزی دفتر اردو گھر میں ایک تعزیتی نشست پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ انجمن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی (جو انجمن کی شاخ کی احیا کے سلسلے میں کلکتہ گئے ہوئے ہیں) نے اپنے تعزیتی پیغام میں پروفیسر صغریٰ مہدی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ۸ اکتوبر ۱۹۳۹ کو بھوپال کے قریب قصبہ باڑی میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلا تعلیم کے لیے وہ دہلی آگئیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے کیا اور پھر انھوں نے ۱۹۶۱ء میں بی ایڈ کیا جس کے بعد ایک معلّمہ کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا۔ پھر اکبر الہ آبادی کی شاعری کا تنقیدی جائزہ کے موضوع پر تحقیقی مقالہ پیش کر کے پی ایچ ڈی کرلیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اردو میں استاد ہو گئیں۔ ریڈرشپ اور پھر شعبۂ اردو کی پروفیسر اور صدر شعبہ بھی مقرر ہوئیں اور یہیں سے ریٹائر ہوئیں۔ پروفیسر صغریٰ مہدی درس و تدریس کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی کاموں میں بھی مصروف رہیں۔ انھوں نے تین درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔

جناب شاہد ماہلی نے کہا کہ صغریٰ مہدی صاحبہ کے انتقال کی خبر اردو والوں کے لیے سخت تکلیف دہ ہے۔ انھوں نے ساری زندگی اردو کی خدمت کی۔ درس و تدریس کے ساتھ ہی انھوں نے بہت اچھے افسانے اور ناول تحریر کیے ہیں جنھیں اردو ادب کے قاری بڑی قدر و منزلت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ وہ مشہور فکشن نگار قرۃ العین حیدر کے قریب تھیں، اس لیے ان کے اثرات صغریٰ مہدی کی تحریروں میں بھی ملتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ خدا انھیں جوار رحمت میں جگہ دے۔

ڈاکٹر اسلم پرویز نے کہا کہ پروفیسر صغریٰ مہدی اردو کی خواتین فکشن نگاروں میں ایک ممتاز حیثیت کی مالک تھیں اور ان کو یہ دولت ایک طرح سے وراثت میں ملی تھی۔ وہ اردو ادب کی استاد تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک تخلیقی نثر نگار بھی اور ان کا خاص میدان فکشن تھا۔ ہمارے یہاں اردو میں اب ایسی خاتون فکشن نگار بہت کم رہ گئی ہیں اور نئی نسل میں کوئی بہت نمایاں نام نظر نہیں آتا۔ اس اعتبار سے ان کا دم غنیمت تھا۔ لیکن آج ہم ان کی شخصیت سے محروم ہو گئے۔ میں دعا گو ہوں کہ خدا ان کی مغفرت کرے اور ان کی روایت کو تازہ کرنے والی نئی فکشن نگار اردو میں نمودار ہوں۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے تعزیتی پیغام میں پروفیسر صغریٰ مہدی کو اردو کی ممتاز افسانہ نگار قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان کے تخلیق کردہ افسانوں اور ناولوں میں اعلا انسانی اقدار کا احترام اور سماجی اصلاح کا مثبت تعمیری جذبہ ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔ صغریٰ مہدی صاحبہ ایک اعلا تعلیم یافتہ تخلیق کار تھیں۔ انھوں نے انسانی معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بنا کر خوب صورت اور بامقصد افسانے تخلیق کیے۔ بلاشبہ ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پُر نہیں ہوگا۔

جناب سید شریف الحسن نقوی نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ پروفیسر صغریٰ مہدی نے درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ متعدد تحقیقی اور تنقیدی مقالے بھی قلم بند کیے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو علمی و ادبی کاموں میں مصروف رکھا اور یہی سبب ہے کہ افسانے، ناول، تحقیق، تنقید اور سفرنامے پر مشتمل ان کی کئی اہم کتابیں منظر عام پر آئیں جنھیں ادب کی دنیا میں خوب پذیرائی بھی حاصل ہوئی۔

پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ پروفیسر صغریٰ مہدی اس زمانے کی مشہور و ممتاز افسانہ نگار اور ناول نگار تھیں۔ انھوں نے سفرنامے، یادداشتیں بھی لکھیں۔ وہ جامعہ میں تمام عمر رہیں، یہیں طالب علم رہیں اور یہیں پروفیسر ہوئیں۔ ان کا خاندان علم و ادب کا گہوارہ تھا اور اس روایت کی انھوں نے پاسداری کی۔ وہ ڈاکٹر عابد حسین اور صالحہ عابد حسین صاحبہ کی صاحبزادی تھیں، انھی کی زیر تربیت ان کے علم و ادب کے مذاق کو فروغ حاصل ہوا۔ ان کے انتقال سے ہم عصر اردو ادب خصوصاً فکشن کو ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ مجھے امید ہے کہ ان کی متعدد کتابیں زندہ رہیں گی اور وہ یاد کی جاتی رہیں گی۔

(رپورٹ: محمد عارف خاں)

⊙⊙⊙

ادیبوں اور قلم کاروں سے گزارش

راقم الحروف رشید حسن خاں (مرحوم) کے ایسے مضامین جمع کر رہا ہے جو ابھی تک کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے ہیں، اس لیے مشاہیر ادب سے گزارش ہے کہ ان کے ایسے مضامین، تبصرے اور انٹرویوز جو مختلف ادبی رسائل و اخبارات میں شائع ہوئے ہیں اگر وہ آپ کے پاس ہوں تو آپ ان کے عکس یا اصل بھیجنے کی درج ذیل پتے پر زحمت گوارا کریں۔ راقم ان کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس ادبی فریضے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں تعاون کریں گے۔ میرا پتا درج ذیل ہے:

Dr. T. R. Rain
F-237, Lower Hari Singh Nagar
Rehari Colony, Jammu-180005
Ph No. 09419828542
email: trrainamina@yahoo.com

بچوں کو اردو کی تعلیم دلانے پر زور

نئی دہلی (۸ مارچ)۔ بابری دہلی کے منگول پوری، پی بلاک میں ایل ایس پی ایس ایجوکیشن سوسائٹی اور عوامی جی او کی جانب سے فروغ اردو زبان کے سلسلے میں ایک ادبی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں مسلم بچوں کو سرکاری اسکولوں میں اردو زبان کی تعلیم مہیا کرانے کی کوششوں پر زور دیا گیا۔ نشست کی صدارت مولانا اخلاق احمد قاسمی نے کی۔ نشست میں اردو اور اردو تعلیم کو بچوں تک آسانی سے کیسے پہنچایا جائے، اس پر غور و خوض کیا گیا۔ (راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اترپردیش میں معلم اردو کے باقی عہدوں پر تقرری جلد

لکھنؤ۔ وزیر اعلا اکھلیش یادو نے کہا ہے کہ ریاست میں باقی بچی معلم اردو کی خالی جگہوں کو جلد ہی پورا کرلیا جائے گا۔ اس سلسلے میں جلد ہی اشتہار جاری کیا جائے گا۔ وزیر اعلا اپنی رہائش گاہ پر مولانا آزاد میموریل اکادمی کے جنرل کا اجرا اور مولانا آزاد ایوارڈ کی تقسیم کی تقریب میں خطاب کر رہے تھے۔ اس موقعے پر دارالعلوم ندوۃ العلما کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی اور سابق پولیس افسر شارق علوی کو مولانا آزاد ایوارڈ سے وزیر اعلا نے نوازا۔ وزیر اعلا نے مولانا آزاد اکادمی کو دی جانے والی امدادی رقم کو بڑھا کر 15 لاکھ روپے کر دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ملک کی آزادی کے بعد تعلیم اور دیگر شعبوں میں جو قربانیاں پیش کی ہیں اسے بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ گاندھی جی اور مولانا آزاد ملک کے وہ ایسے بڑے رہنما تھے جن پر سبھی بھروسہ کرتے تھے۔

(ذ ن۔ لکھنؤ)

ہمنا آباد (کرناٹک) میں رائے دہندگان کی فہرست (ووٹر لسٹ)

اردو زبان میں فراہم کرنے کا مطالبہ

بیدر، کرناٹک (۲۸ فروری)۔ گزشتہ پچیس سال سے بیدر ضلع کے مختلف اسمبلی حلقوں میں خصوصاً بیدر، بیدر (جنوب)، بسوا کلیان اور ہمنا آباد میں رائے دہندگان کی فہرست (ووٹر لسٹ) اردو زبان میں فراہم کرنے کا مطالبہ تھا، جس کے لیے عدالت کا بھی دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ لیکن آج یہ خبر سناتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے کہ دھرم سنگھ (رکن پارلیمنٹ بیدر) نے بیدر اور بیدر جنوب کے دو اسمبلی حلقہ جات کی ووٹر لسٹ اردو میں شائع کرنے کے لیے الیکشن کمیشن سے نمائندگی کر کے احکام حاصل کر لیے ہیں اور اردو ووٹر لسٹ کی اشاعت کا کام بھی شروع ہو چکا ہے۔ یہ بات قاضی ارشد علی (صدر ضلع کانگریس کمیٹی اور سابق ایم ایل سی بیدر) نے کہی۔ انھوں نے بتایا کہ ریاست کرناٹک میں کنڑا زبان کے علاوہ 16 اسمبلی حلقوں میں انگریزی اور 113 اسمبلی حلقوں میں مراٹھی میں ووٹر لسٹ شائع ہوتی ہے۔ اسی بیدر ضلع کے اوراد، بھالکی اور بسوا کلیان اسمبلی حلقوں میں مراٹھی میں بھی ووٹر لسٹ پہلے ہی سے شائع ہوتی رہی ہے۔ بیدر اور بیدر جنوب کے اسمبلی حلقوں کے لیے اردو ووٹر لسٹ کی اشاعت کا کام جاری ہے۔ اس کام کے لیے ہم رکن پارلیمنٹ جناب این دھرم سنگھ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں قاضی ارشد علی نے بتایا کہ مختلف دفاتر میں اردو مترجمین کے تقرر کا معاملہ ریاستی حکومت سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ اردو اسکولوں میں کنڑا ٹیچرس کی لابی بھی موجود ہے۔ ہم نے دونوں معاملات کے لیے حکومت سے نمائندگی کی ہے۔ واضح رہے کہ ڈپٹی کمشنر بیدر ڈاکٹر پی سی جعفر نے بحیثیت ضلع الیکٹورل افسر چیف الیکٹورل افسر بنگلور کو ۳۱ جنوری ۲۰۱۴ کو جو مکتوب روانہ کیا تھا اس میں بیدر اسمبلی حلقے میں اردو بولنے والوں کی تعداد 31 فیصد اور بیدر اسمبلی حلقہ جنوب میں 25 فیصد بتائی ہے، جس پر اعتراض کرتے ہوئے قاضی ارشد علی نے کہا کہ 31 فیصد نہیں بلکہ بیدر میں اردو بولنے والوں کی تعداد 35 فیصد ہے۔ (رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

'بھارت نرمان ۳' کے اشتہاری ویڈیوز انگریزی، ہندی اور علاقائی زبانوں میں ہیں مگر اردو سرے سے نظر انداز

نئی دہلی (۲۵ فروری)۔ 'بھارت نرمان' کے تحت زور و شور سے چل رہی اشتہاری مہم میں کتنی سچائی ہے اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے مگر اس سے وابستہ ایک سچائی پوری طرح سامنے آگئی ہے اور وہ ہے وزارت برائے اطلاعات و نشریات کا اردو کے تئیں دوہرا رویہ۔ دراصل بھارت نرمان مرکزی حکومت کی وہ اشتہاری مہم ہے جس میں حکومت نے عوام کے سامنے اپنی حصولیابیاں رکھنے کے لیے گاؤں گاؤں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ بھارت نرمان کے مرحلہ 1 اور 2 میں بالترتیب دیگر علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ 'اردو' کو بھی نمائندگی دی گئی تھی مگر مرحلہ 3 میں اردو کو باہر کا راستہ دکھا دیا گیا ہے۔ بھارت نرمان مرحلہ 3 کے نشریاتی زمرے سے اردو کو باہر نکالا گیا ہے البتہ طباعتی اداروں کے لیے وہ حسب حال جاری ہے۔ بھارت نرمان فیز مرحلہ 3 کو اردو زبان میں نہ بنانے کی وجہ سے جہاں اردو کی حق تلفی

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : حسرتوں کا غبار
(شعری مجموعہ)
شاعر : دولت رام صابر پانی پتی
ضخامت : ۲۲۴ صفحات
قیمت : درج نہیں
ناشر : امرت پرکاشن، 1/5170
لین نمبر 8، بلبیر نگر
شاہدرہ، دہلی- 110032
تبصرہ نگار : ڈاکٹر رفیعہ حامد

پریم لتا شرما نے اپنے والد ڈاکٹر دولت رام صابر پانی پتی کا یہ شعری مجموعہ ان سے وابستہ یادوں کے زیر سایہ طبع کروایا ہے۔ یہ ایک بیٹی کا اپنے والد کو بہترین خراج عقیدت ہے۔ "اک خواب سا تھا جو کبھی دیکھا تھا" عنوان کے تحت پریم لتا اپنی یادوں سے پھول چنتی ہیں:

"پاپا ایک کامیاب ہومیو پیتھک فزیشین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست منو گیانک بھی تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں ... کسی احساس کمتری کا شکار ہو کر زندگی بھر یوں ہی پریشان رہوں۔ چناں چہ مجھے اس قدر پیار سے نوازتے تھے کہ میں ان کی غزل بن کر ان کو کچھ زیادہ ہی اپنا سمجھنے لگی۔" (ص ۱۰)

صابر پانی پتی سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہجرت کر کے پانی پت آ کر بس گئے۔ وہ تاجور نجیب آبادی سے بہت متاثر تھے، لکھتے ہیں:

صابر ہمیں بھی کیوں نہ ہو اپنے سخن پہ ناز
بیٹھے ہوئے ہیں ہم بھی تاجور کے ساتھ

صابر نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے مجموعۂ کلام میں غزل، نظم، مخمس، قطعہ، مسدس، رباعی شامل اشاعت ہیں۔ اپنی شاعری کے بارے میں صابر خود کہتے ہیں:

صابر فلک سے "دن" کی مضمون کے فہم کے
نکلیں غزل میں ہم نے اتارے نئے نئے

زمانے کا چلن ہے کہ کسی کو خوش، بام عروج پر دیکھ کر حسد و جلن حریفوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے، صابر اپنے حریفوں کو جانتے پہچانتے تھے، کہتے ہیں:

نئی میں آتا ہے الٹ دوں اٹھ کے کیوں سے نقاب
سب پہ روشن رنگ رخسار ہیں غازہ کروں
حریفانہ سخن کی بزدلی کی وہ وجہ ہوں
نہ صد یہ بات کرتے ہیں نہ اپنا نام لکھتے ہیں

صابر کی شاعری میں مقصدیت ہے۔ انھوں نے اپنے تجربات و احساسات کو اپنے شعروں میں سمو دیا ہے۔ ان کی نظموں میں 'شعلۂ ساز'، 'تاثرات'، 'ایٹم بم' اور 'صورت حال' قابل ذکر ہیں۔ صابر پانی پتی نے کئی لوگوں کو خراج تحسین و خراج عقیدت اپنے اشعار کے ذریعے پیش کیا ہے۔ ان میں باباے قوم مہاتما گاندھی، لالہ لاجپت رائے، سوامی دیانند، مہاویر سوامی وغیرہ ہیں۔ صابر نے نئی اور زرخیز زمینوں میں اشعار کہے ہیں۔ مختلف رنگ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رکھے صحرا تو روئی کو جو ہم تو رنج و غم بوئے
ہم اپنے صابر آفت زدہ کے ساتھ چلتے ہیں

پوچھا جو رقیبوں نے کہ کیا اٹھ گیا صابر
ساقی نے اشارے سے بتایا کہ نہیں، ہے

ہر آنکھ میں مستی ہے تو ہر لب پہ تبسم
اک چھوٹی سی جنت ہے یہ میخانہ نہیں ہے

زندگی کی آگ سے فانوس دل روشن کریں
سوز شمع رونق بزم جہاں پیدا کریں

زیر و زبر کو میرے جھک جھک کے دیکھتا ہے
دربان تیرے در کا، کاتب نہ رہ چکا ہو

اس شعری مجموعے کی ابتدا میں ڈاکٹر کمار پانی پتی کا تحریر کردہ مقدمہ اور اثر پانی پتی کے صابر پانی پتی کی زندگی اور شاعری پر تاثراتی مضمون ہے۔

پریم لتا شرما قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اپنے والد کے کلام کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔ اردو شعر و ادب کے خزینے میں 'حسرتوں کا غبار' ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ کتاب کے ٹائٹل پر صابر پانی پتی کی تصویر اور پشت پر ڈاکٹر کمار پانی پتی کی آرا درج ہیں۔ صاف ستھری کتاب دیدہ زیب ہے۔ صاحب ذوق حضرات کے مطالعے میں رہنا چاہیے۔

●●●

نام کتاب : نوبیل حیاتیات
مترجم و مرتب : باقر مہدی
ضخامت : ۵۹۸ صفحات
قیمت : ۳۰۰۰ روپے
ناشر : کتاب مارکیٹ، آفس نمبر 17
اسٹریٹ نمبر 3، اردو بازار،
کراچی، پاکستان
تبصرہ نگار : دیپک بدکی
deepak.budki@gmail.com

'نوبیل حیاتیات' باقر نقوی کی دو ہزار پانچ سو صفحات اور تین جلدوں پر مشتمل سیریز کی آخری پیش کش ہے جس میں حیاتیات کے میدان میں لافانی کام کرنے والے نوبیل انعام یافتہ سائنس دانوں کا تعارف اور ان کے خطبات درج ہیں۔ اس سلسلے کی دو جلدیں 'نوبیل ادبیات' اور 'نوبیل امن' کے سو برس' پہلے ہی شائع ہو چکی ہیں۔ مذکورہ سیریز مشہور سائنس داں الفریڈ نوبیل، جنھوں نے اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ امن، آگہی اور علمی تحقیق کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے انعامات کی صورت میں دینے کے لیے مختص کیا تھا، کے تئیں خراج عقیدت ہے۔ الفریڈ نوبیل کی وصیت کی بنیادی شرط یہ تھی کہ ایسے سائنس دانوں نے "انسانیت کو سب سے بڑا فائدہ پہنچایا ہو۔" (ص ۱۳۳)

باقر نقوی الٰہ آباد، ہندستان میں پیدا ہوئے اور گزشتہ ۳۸ برس سے برطانیہ میں اقامت پذیر ہیں جہاں وہ زندگی بیمہ کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ البتہ پاکستان آنا جانا رہتا ہے۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز بطور شاعر پچاس سال پہلے ہوا تھا۔ اب تک ان کے تین شعری مجموعے، 'تازہ ہوا' (۱۹۸۸ء)، 'مٹھی بھر تارے' (۱۹۹۱ء)، 'موتی موتی رنگ' (۱۹۹۳ء) اور کلیات شاعری 'دامن' (۲۰۰۳ء) شائع ہو چکے ہیں۔ نثری اصناف میں ان کا افسانوی مجموعہ 'آٹھواں رنگ' اور نوبیل انعام یافتہ ناولوں کے ترجمے ہرتا میلر کا 'ننگی سرزمین' اور گنٹر گراس کا نقارہ (The Tin Drum) ۲۰۱۲ء میں منظر عام پر آ چکے ہیں۔ غیر ادبی شعبوں کے حوالے سے ان کی شائع شدہ کتابوں کے نام یوں ہیں: 'الفریڈ نوبیل' (۱۹۹۹ء)، 'خلیے کی دنیا' [جینیات اور کلوننگ پر لکھی گئی تصنیف] (۲۰۰۳ء)، 'برقیات مع الیکٹرونکس کی مختصر تاریخ' (۲۰۰۵ء)، 'مصنوعی ذہانت' [Artificial Intelligence] (۲۰۰۹ء)، 'ناٹو ایف ہو۔ ایک تحریک' (۲۰۰۷ء)، 'نوبیل ادبیات' (۲۰۰۹ء)، 'نوبیل امن کے سو برس' (۲۰۱۱ء) اور زیر نظر کتاب 'نوبیل حیاتیات'۔ مذکورہ عنوانات پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ باقر نقوی نے ادب کے علاوہ کئی نادر اور مفید کتابیں تحریر و ترتیب دی ہیں یا پھر ترجمہ کی ہیں جن کی اردو زبان کی نشو و نما کے لیے اشد ضرورت ہے ورنہ تو اردو میں سہولت پسند ادیب زیادہ تر شعری اور تنقید کے دائرے میں رہ کر ہی رقص سرور میں سر دھنتے رہتے ہیں۔

زیر نظر جلد میں فعلیات اور ادویات کے شعبے میں ۱۹۰۱ء سے لے کر ۲۰۰۸ء تک تقسیم کیے گئے نوبیل انعامات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں صرف اعتراف کمال، اعلان تحلیل اور خطبات تشکر شامل کیے گئے ہیں جبکہ انعام یافتگان کے خطبات طوالت، ریاضیاتی فارمولوں اور دیگر پیچیدگیوں کے سبب شامل اشاعت نہیں ہیں۔ سائنس دانوں کے سامنے گزشتہ صدی میں کئی موضوعات بطور چیلنج ابھر کر آئے جیسے خلیے کی ساخت Cell biology کی مزید تحقیق کرنا، بافتوں Tissues اور لونیوں Chromosomes کی ماہیت اور وراثت میں ان کا حصہ، جینیات Genes، جینیاتی رمز Genetic code، نظام حیات Genome، پروٹین، ڈی آکسی رائبو نیوکلک ایسڈ، ڈی این اے اور آر این اے کی کارکردگی، نیورو بیالوجی، اعصابی نظام اور اطلاع رسانی، تریاقی مادے Antibodies، نظام مامونیت Immune System اور مامونیاتی دفاع، خمیرے Enzymes، غدود اور ہارمون، یاتی نظام (خون کے گروپس)، وائرس کی دریافت، لا علاج بیماریوں کی علت و سبب ڈھونڈنا، ان بیماریوں کا علاج اور ادویات تلاش کرنا، ڈی ڈی ٹی، پنسلین اور انسولین کی ایجاد، عضو، جیسے دل یا گردے کی پیوند کاری، کمپیوٹر ٹوموگرافی Tomography وغیرہ۔ اعلان تحلیل میں ان مخصوص ایجادات کا پس منظر اور انعام یافتگان کے کارنمایاں بیان کیے گئے ہیں جب کہ ضیافت کے خطاب میں انعام یافتگان نے اپنے تجربات پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ کہیں کہیں پر انھوں نے اسطوری حکایات و تلمیحات اور نظموں سے بھی اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ باقر نقوی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف ان تحریروں کا بخوبی ترجمہ کیا ہے اور اصطلاحات کو بڑی ہنر مندی سے برتا ہے بلکہ نظموں کا ترجمہ اردو نظموں میں ہی کیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان سائنس دانوں نے کس عرق ریزی اور دقیقہ شناسی سے سرطان اور لیوکیمیا کا علاج، بیکٹیریا سے پیدا شدہ بیماریوں، وائرس کی آلودگی Infection کی وجہ، تپ دق، ملیریا، اِنفلوئنزا، پولیو، زرد بخار، آتشک، ایچ آئی وی، جیانڈس اور دیگر گلا دینے والی بیماریوں کی پہچان نیز دل اور شریانوں میں خون کے دباؤ کی بہاؤ کا سبب، کولیسٹرول کی ضابطہ بندی، تھیلیسیمیا Thalassemia / ذہنی امراض جیسے ذہنی حزل Dimentia اور ضعف عقل Alzheimer's کے اسباب، بصارت اور سمع عمل کا تجزیہ اور ٹیکوں Vaccines کی دریافت وغیرہ کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ ۱۹۹۰ء کے اعلان تحلیل میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہڈی کے گودے کی پیوند کاری سے دس ہزار سے زیادہ مریض شفایاب ہو چکے ہیں اور دنیا میں ہر سال دس ہزار سے زائد گردے پیوند کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح پروفیسر فارس مان (نوبیل پرائز ۱۹۵۶ء) کے خلوص و ایثار کے بارے میں درج ہے کہ "ایک نوجوان ڈاکٹر ہوتے ہوئے آپ نے خود اپنے دل میں نلی ڈالنے کے عمل کی ہمت کی تھی۔" (ص ۲۷۸)

'نوبیل حیاتیات' سے چند اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ قاری خود ہی کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگا سکے:

☆ زندگی کی کامیابی کے لیے (دو) (۲) کا ہونا ضروری ہے۔ (قدیم ڈسلدار کی گیت کا مصرعہ، ص ۴۵۳)

☆ سائنس میں، ہر نیا نتیجہ، جو اکثر حیرت انگیز ہوتا ہے، نئے بڑھتے ہوئے قدم کا نقیب ہوتا ہے اور ماضی کے نظریات کو مسترد کرنے کی اجازت دیتا ہے ... (اسٹینلے پروسنر، نوبیل پرائز ۱۹۹۷ء، ص ۲۵)

☆ میں خود بھی اسی خیال کا آدمی ہوں کہ سائنس قومی سرحدوں کو نہیں مانتی اور اپنی پوری پیشہ ورانہ زندگی میں اسی خیال پر عمل کرتا رہا ہوں۔ (سسمو موتیگا، نوبیل پرائز ۱۹۸۷ء)

☆ ہم جب سیکھنا چھوڑ دیتے ہیں اور خود کو عالم کہنے لگتے ہیں تو سائنسی سماج کے ناکارہ ارکان بن جاتے ہیں۔ (کرسچیان ڈی ڈیو، نوبیل پرائز ۱۹۷۴ء)

الغرض یہ کتاب گزشتہ صدی میں ہوئی سائنس کی ترقی کا آئینہ ہے۔ اسلوب اور طرز پیش کش ایسی ہے کہ نہ صرف سائنس خصوصاً فعلیات اور امراض سے تعلق رکھنے والے شائقین اس سے استفادہ کر سکتے ہیں بلکہ عام قاری بھی

اپنے علم میں توسیع کر سکتا ہے۔ مطالعہ کرتے وقت کہیں پر کسی قسم کی ثقالت یا جھول محسوس نہیں ہوتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اردو کے بچوں کو پڑھانے کے لیے ان کتابوں کی بہت ہی ضرورت ہے۔ یہاں پر ایک تجویز پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ ایسی کتاب کے آخر میں کتاب میں استعمال شدہ سائنسی الفاظ اور اصطلاحات کی ایک فہرست مرتب کرنی چاہیے اور ان کے ساتھ ہی متبادل انگریزی الفاظ لکھے جانے چاہیے تاکہ وہ قارئین جنھیں سائنس اور حیاتیات سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو کتاب سے فائدہ اٹھا سکیں۔

زیر نظر کتاب کی حوالہ جاتی اور معلوماتی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ ہر وہ لائبریری جس میں اردو کی کتابیں دستیاب ہیں اس کتاب کو طلبہ کے لیے فراہم کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرے گی۔

●●●

نام کتاب : رنگا رنگ پھلواری
(بچوں کے لیے شاعری)
مصنف : ڈاکٹر محبوب راہی
ضخامت : ۱۸۰ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ملنے کا پتا : رحمانی پبلی کیشنز
اسلام پورہ، مالیگاؤں
ضلع ناسک، مہاراشٹر
تبصرہ نگار : قاضی رؤف انجم

مشہور ہے کہ شیطان اُس بچے کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے جو کتابوں کا بستہ بغل میں دابے مدرسے کی طرف دوڑتا چلا جاتا ہو۔ اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے محبوب راہی نے بھی بچوں کی رہنمائی کے لیے کارآمد اور مفید کتابوں کی تخلیق پر اپنی توجہ مرکوز کر لی ہے اور اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے انھوں نے زیر نظر کتاب 'رنگا رنگ پھلواری' ترتیب دی ہے جو ان کی دو سابقہ کتابوں کے انتخاب پر مبنی ہے، جن میں رنگا رنگ تین اڈیشن میں اور ننھی پھلواری دو اڈیشن میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ 'مسکتی پھلواری' اور 'آئینۂ وطن' کے بعد محبوب راہی کی یہ چھٹی کتاب ہے جو بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں محبوب راہی نے بچوں کے لیے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس دور میں ان کا نام طفلی منظومات میں سکۂ رائج الوقت کے طور پر مانا جاتا تھا، گزشتہ چند برسوں میں انھوں نے ادب کی دیگر اصناف میں اپنے آپ کو اتنا مصروف کر لیا کہ ان کا نام ادب اطفال والی کتابوں، رسائل، اخبارات اور کتابچوں سے غائب جیسا معلوم ہونے لگا تھا۔ اس چیز کو محسوس کر کے انھوں نے زیر تبصرہ کتاب 'رنگا رنگ پھلواری' ترتیب دے کر ادب اطفال میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے کہ ابھی میں ہوں۔ ان منظومات کے ذریعے کوشش کی گئی ہے کہ بچے اچھے اور سچے مسلمان بن کر سچے ہندستانی ثابت ہوں:

ہم اپنے وطن کی عظمت کے جب بھی گیت گاتے ہیں
عقیدت سے ہمیں چاند اور سورج جھکاتے ہیں

اس کتاب کی منظومات پر مشاہیر ادب کی آرا میں سے چند قارئین کی نذر کر رہا ہوں تاکہ آپ شاعر کے مقام اور مرتبے کا تعین کر سکیں:

(۱) اس مجموعے میں چند ایسی نظمیں بھی جمع کر دی گئی ہیں جن کے مطالعے سے بچوں کے دل میں خدا پرستی کا جذبہ پیدا ہو کر رسول اکرم کی محبت جاگ اٹھے نیز وطن کے لیے چاہت اور اس کی خدمت کی آرزو دل میں مچل اٹھے (عبدالقوی دسنوی)۔

(۲) ان کی نظمیں بچوں کے لیے اخلاقی اقدار، عام دنیوی معلومات اور حب الوطنی کے جذبوں کو بیدار کرنے کے اعلا مقصد کے لیے لکھی گئی ہیں۔ بچوں کی نفسیات کو بھی انھوں نے ملحوظ رکھا ہے (پروفیسر مظفر حنفی)۔

(۳) محبوب راہی نے ہر موضوع پر ہر وقت برجستہ اور ہر انداز کی نظمیں کہی ہیں۔ انھوں نے بچوں کی نفسیات اور احساسات کا بہ غور مطالعہ کیا ہے اسی لیے یہ نظمیں کہی ہیں۔ ان کی نظموں میں ایک چیز اور ہے اور وہ ہے بچپن، صرف بچپن (سراج انور)۔

یہی اسی طرح عتیق احمد عتیق، نادک حمزہ پوری، رضا نقوی واہی، نذیر فتح پوری، عبدالرحیم نشتر، رام پرکاش کپور، ظفر گورکھپوری، فیروز مظفر، شاغل ادیب اور عطا عابدی وغیرہم نے بھی محبوب راہی کی نظموں کو بچوں کے لیے ہر لحاظ سے مفید، نصیحت آموز، حب الوطنی، مذہبیات اور معاشرتی زندگی کی کامیابی کے لیے بے حد ضروری قرار دیا ہے اور نصابی کتب ترتیب دینے والوں سے درخواست کی ہے کہ وہ ان منظومات کو نصاب کی کتابوں میں شامل کریں۔ ایک سو اٹھارہ منظومات سے مرصع یہ کتاب جس میں خاندانی رشتوں کی پاکیزگی، معاشرتی زندگی کی ضرورتیں، مذہبی اقدار کی اہمیت، قومی و ملکی رہنماؤں کی تعظیم نیز اسکول، گھر، کھیت کھلیان سے لے کر پالتو اور جنگلی جانوروں کی پہچان، کھیل کود کے فوائد، غرض کہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں بچوں کو معلومات فراہم کی گئی ہے جسے بچے گا کر بھی یاد کر سکتے ہیں۔ چالیس سے زیادہ کتابوں کے خالق ڈاکٹر محبوب راہی کی خالص بچوں کی شاعری پر مبنی کتاب 'رنگا رنگ پھلواری' خوب صورت اور آرٹ پیپر سے مزین پختہ جلد، بے داغ کمپوزنگ اور املا کی اغلاط سے مبرا اس ضخیم کتاب کی قیمت محض 150 روپے ہے جو لاگت سے بھی کم ہے۔

●●●

بقیہ صفحہ ۸ سے آگے

کے ذمہ داروں کو درد سر لاحق ہو گیا ہے وہیں وزارت برائے اطلاعات و نشریات میں اردو کے لیے کام کرنے والے گنے چنے اردو پروڈیوسروں کی روزی روٹی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔

واضح رہے کہ بھارت نرمان کا پہلا مرحلہ گزشتہ سال مئی میں لانچ کیا گیا تھا جب کہ سیکنڈ فیس اگست ۲۰۱۳ء میں۔ ان دونوں مرحلوں میں ذرائع ابلاغ کے ہر شعبے ٹی وی، ریڈیو، پرنٹ، آؤٹ ڈور پبلسٹی اور اسپیشل آؤٹ ریچ پروگرام کو اشتہارات دیے گئے۔ خطہ اور علاقے کا لحاظ کرتے ہوئے ہر زبان میں اشتہارات فراہم کرائے گئے۔ زیادہ تر اشتہارات انگریزی اور ہندی میں تیار کرائے گئے جب کہ علاقائی جغرافیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے علاقائی زبانوں میں بھی اشتہارات تیار کرائے گئے۔ دونوں مراحل میں ٹی وی کے لیے تشہیری اشتہارات (فلمیں) بنائی گئیں۔ یہ فلمیں انگریزی، ہندی، علاقائی زبانوں سمیت اردو میں بھی بنائی گئی تھیں۔

وزارت کے فلم ڈائرکٹوریٹ سے وابستہ کچھ اردو پروڈیوسروں نے بتایا کہ وزارت برائے اطلاعات و نشریات کے تحت فلم ڈائرکٹوریٹ نے بھارت نرمان کے تعلق سے جو تفصیلات فراہم کرائی ہے اس کے مطابق بھارت نرمان فیس 3 کے اشتہارات (ویڈیو فلم) جو فروری مارچ ۲۰۱۴ء میں نشر ہونے ہیں، وہ اہم علاقائی زبانوں میں بنائے گئے ہیں مگر اردو میں نہیں بنائے گئے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ وزارت میں پہلے ہی اردو کے تعلق سے بخل سے کام لیا جاتا ہے، بہت ہی مشکل وقت میں اردو کی باری آتی ہے، ورنہ زیادہ تر ہندی میں کام چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وزارت کے کچھ افسران یہ بھی کہتے نظر آتے ہیں کہ ہندی فلموں کی طرح ہندی اشتہاری فلمیں بھی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہیں اس لیے اردو میں علاحدہ فلمیں بنانے کی ضرورت نہیں۔

ہندستان میں ٹی وی، آؤٹ ڈور پبلسٹی، اسپیشل آؤٹ ریچ اور اردو کے تین قومی چینلز (زی سلام، ای ٹی وی اردو اور ڈی ڈی اردو) کے لاکھوں کی تعداد میں اردو ناظرین ہونے کے باوجود وزارت نشریات کا بھارت نرمان کی فلموں سے اردو کو نکال باہر کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے۔ اردو پروڈیوسروں کی مانیں تو یہ سراسر تعصب کا معاملہ ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

ترقی پسند ادب	علی سردار جعفری	۳۰۰/=
دلّی کی درگاہ شاہ مرداں	خلیق انجم	۲۰۰/=
پہلا ورق (سہ ماہی اردو ادب کے منتخب اداریے) اسلم پرویز		
انتخاب و ترتیب: شمس الحق عثمانی، محمد فیروز دہلوی		۳۰۰/=
راس مسعود	حکیم سید ظل الرحمن	۲۵۰/=
ناممکن	اطہر فاروقی	۳۲۰/=
سیرت فریدیہ (سر سید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں اور دیگر افراد خاندان کے حالات)		
مصنف: سر سید احمد خاں، مرتب: خلیق انجم		۱۵۰/=
ہندستان میں اردو سیاست کی تفہیم نو	اطہر فاروقی	۲۶۰/=
انقلاب ایک تاریخ ایک تہذیب کی کہانی	عابد اللہ غازی	۸۵/=
پبلک ٹل (ناموافق آدمی کی پیاری حویلی (ڈرامہ))	ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی	۱۲۰/=
دوکان شیشہ گراں (کتابیں اور لوگ)	شمیم حنفی	۲۰۰/=
دلّی کے محاورے	سید ضمیر حسن دہلوی	۱۰۰/=
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا	خلیق انجم	۲۳۰/=
غالب تنقید	جاوید رحمانی	۱۱۰/=
سن ستاون کی دلّی اور بہادر شاہ ظفر	اسلم پرویز	۱۵۰/=
آزاد ہندستان میں اردو زبان، تعلیم اور صحافت	اطہر فاروقی	۱۲۰/=
ہندستان میں فکری و تہذیبی اصلاح کا آغاز اور ماسٹر رام چندر		
	صدیق الرحمن قدوائی	۱۸۰/=
The Court of Indar اندر سبھا (سید آغا حسن امانت)		
	افروز تاج	۳۰۰/=
اردو ہے جس کا نام (رباعیات کا مجموعہ)	امیر چند بہار	۱۲۰/=
پریم چند گھر میں (شورانی دیوی)	مترجم: سید حسن منظر	۲۰۰/=
ادب کی مادیات: تصور اور تعبیر (منیجر پانڈے)	مترجم: سرور الہدیٰ	۲۰۰/=
دلّی کے مسلمان دانشور (بیسویں صدی) مصنف: مشیر الحسن		
	مترجم: مسعود الحق	۲۷۵/=
منٹو ان کی	اطہر فاروقی	۱۵۰/=
جہان اقبال	عبدالرحیم خاں	۷۵/=
کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سیاسی اور سماجی پس منظر میں)		
	ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی	۸۵/=
ہم سفروں کے درمیان	شمیم حنفی	۱۵۰/=
ڈاکٹر بشیر بدر کی شاعری (ریختہ گری)	ڈاکٹر وجیہہ پارہ بنگوی	۹۰/=
معشوق غالب کالی داس گپتا رضا	محمد عارف خاں، ثاقب صدیقی	۸۰/=
ہماری رسمیں	ڈاکٹر زیبائش	۸۵/=

بقیہ: مشترکہ تہذیب: روایت اور حقیقت

(صفحہ ۱۲ سے آگے)

فراق اور ہندو و ہندوستانی عوامی تہذیب اور کبیر کے اپنے مزاج، تجربات، زندگی کی صداقت، متوسط طبقے کی سماجی بصیرت اور لوک گیتوں کی حرکت و حرارت سب اس قدر گھل مل گئے ہیں اور اس روایت کو زندہ کرتے ہیں جو امیر خسرو کے بعد کسی وجہ سے بکھر گئی تھی۔

جعفر زٹلی بنیادی طور پر مزاحمت اور احتجاج کے شاعر تھے لیکن یہاں میں اُن کی ایک غزل کے صرف تین اشعار پیش کروں گا:

گیا اخلاص عالم سے عجب یہ دور آیا ہے
ڈرے سب خلق ظالم سے عجب یہ دور آیا ہے
نہ یاروں میں رہی یاری نہ بھیوں میں وفاداری
محبت اٹھ گئی ساری عجب یہ دور آیا ہے
نہ بولی راستی کوئی، عمر سب جھوٹ میں کھوئی
اتاری شرم کی لوئی، عجب یہ دور آیا ہے

یہ مصرعہ دیکھیے 'نہ یاروں میں رہی یاری، نہ بھیوں میں وفاداری' خالص اودھی لہجہ اور محاورہ ہے۔ اسی طرح سے 'اتاری شرم کی لوئی' کو بھی ملاحظہ کیجیے۔ اسی طرح سے قدم قدم پر ان کے یہاں عوامی محاورات استعمال ہوئے ہیں ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس''، ''دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا''، ''بھرے سمندر گھونگھا ہاتھ'' وغیرہ ان سب کا غزل کے پیرائے میں استعمال کرنا مشکل اور غیر معمولی بات ہے۔

اب میں قصیدے کے ایک شاعر محسن کاکوروی کے ایک مذہبی قصیدے سے جو رسول کی شان میں لکھا گیا ہے، اس کے چند اشعار پیش کرتا ہوں

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
ڈوبے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

ان قصیدوں اور مثنویوں کو ملاحظہ کیجیے، ان میں جس طرح سے ہندو تہذیب، عوامی رنگ اور ہندی مشترکہ تہذیب رچ بس گئی ہے وہ محسوس کرنے کے لائق ہے۔ یہ اردو شاعری کا ایک ایسا اضافہ اور خزانہ ہے جس پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔

اسی طرح سے حالی کی نظمیں، آزاد و شبلی کی نظمیں، چکبست کی قومی نظمیں، سرور جہان آبادی، اقبال، جوش اور فراق کی نظمیں غزلیں۔ ان سب نے اس تہذیب میں ایسی رونق اور چمک بخشی کہ اردو شاعری اور مشترکہ تہذیب ایک ہی تصویر کے دو رخ ہو گئے۔ اقبال جو اسلامی فکر کے شاعر کہے جاتے ہیں 'امام ہند' کے عنوان سے بھگوان رام پر ان کی غیر معمولی نظم ملتی ہے۔ جوش نے تلسی داس پر نظم کہی۔ فراق نے اپنی رباعیوں میں پریم رس اور شرنگار رس کے ایسے ایسے جلوے بکھیرے ہیں کہ ہندوستان کی گھریلو مشترکہ تہذیب، عوامی تہذیب قوس قزح کا روپ اختیار کر گئی ہے۔ عمدہ اور پختہ روایت کے زیر اثر ترقی پسند شعرا نے ان روایتوں کو اس قدر دل سے قبول کیا ہے کہ ہندوستانی تہذیب نہ جانے کتنی پرتوں اور جہتوں میں نکھر کر چاند اور سورج کی طرح چمکنے اور جگمگانے لگی۔ اب میں غزل کے چند اشعار بھی پیش کرتا ہوں:

[illegible]
[illegible]
(ولی دکنی)

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا
(میر)

آتش عشق نے راون کو جلا کر مارا
گرچہ لنکا سا تھا اس دیو کا گھر پانی میں
(میر)

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟
(غالب)

ہندو ہیں بت پرست، مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اس کسی کو جو ہو آشنا پرست
(سودا)

قشقہ ہندو مذہب کی علامت اور جسم کے جلائے جانے کی رسم بھی ہندو اور ہندوستانی ہے لیکن کس قدر سلیقے سے اردو شاعری میں جذب ہوئی ہے۔ اسی طرح بت اور برہمن کا ذکر۔ دیر و حرم کے چرچے تو اردو غزل میں بھرے پڑے ہیں لیکن ان کو صنائع، کاریگری اور امیجری کی شکل دے دینا غیر معمولی فنکاری اور عقیدت مندی کا ہنر ہے۔ فراق کے یہ چند شعر دیکھیے:

ہر لیا ہے کسی نے سیتا کو
زندگی جیسے رام کا بن باس

جیسے تاروں کی چمک بہتی ہوئی گنگا میں
اہل غم یوں ہی یاد آؤ کہ کچھ رات کٹے

دلوں کو تیرے تبسم کی یاد یوں آئی
کہ جگمگا اٹھیں جس طرح مندروں میں چراغ

شیو کا وش پان تو سنا ہوگا
میں بھی اے دوست پی گیا آنسو

فراق تو خیر ہندو تھے لیکن انھوں نے اپنا ایک مکمل دبستان قائم کیا جس کے اثرات بعد کے شعرا میں دکھائی دیتے ہیں لیکن مومن تو صرف نام کے ہی مومن نہ تھے لیکن انسان دوستی کے حوالے سے کہتے ہیں:

کیا مومن، کیا کافر کون ہے صوفی کیا رند
بشر ہیں سارے بندے حق کے سارے جھگڑے شر کے ہیں

چند شعر اور ملاحظہ کیجیے:

حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں
بزم رنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے
(فانی)

بتوں کو دیکھ کر سب نے خدا کو پہچانا
خدا کے گھر تو کوئی بندۂ خدا نہ گیا
(یگانہ)

پہنچی یہاں بھی شیخ و برہمن کی کشمکش
اب میکدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا
(اقبال سہیل)

مدھ کی کٹوریوں میں وہ امرت گھلا ہوا
جس کا ہے کام دیو بھی پیاسا، غضب غضب
(اختر شیرانی)

انجانی ہوئی ہر آس لگے
زندگی رام کا بن باس لگے
(جاں نثار اختر)

اب دو شعر میں آج کے عہد کی ایک مقبول شاعرہ پروین شاکر کے بھی پیش کرتا ہوں:

اب تو ہجر کے دکھ میں ساری عمر جلنا ہے
پہلے کیا پناہیں تھیں مہرباں چتاؤں میں

نہ سر کو پھوڑ کے تو رو، نہ تو یہ شکوہ
وفا شعار کہاں میں بھی میرا ایسی تھی

نئی غزل اور نظم میں اس طرح کی ہندوستانی اصطلاحیں بھری پڑی ہیں اور اردو شاعری ہندو و ہندوستانی تہذیب میں اس قدر رچ بس اور گھل مل گئی ہے جیسے دودھ میں شکر۔ فکشن کے میدان میں یہ ملاوٹ اور گھلاوٹ بلکہ اس انداز کی ہے کہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کون سی تہذیب کہاں سے شروع ہے۔ ہندی کے معروف فکشن نگار بھیشم ساہنی نے ایک جگہ لکھا ہے:

''گزشتہ چھ سات سو برسوں میں عوامی سطح پر ہماری ایک ملی جلی تہذیب ابھری ہے۔ اس کی بنیاد بھگتوں اور صوفیوں نے ڈالی ہے۔ انھوں نے ایک مشترکہ سوچ دی، ایک تہذیب دی۔ جو لوگ گاؤں دیہات میں صدیوں سے رہ رہے ہیں اُن کی سانجھی زبان بن جاتی ہے۔ ہماری آج کی جو زبانیں ہیں وہ سب اُسی کا حصہ ہیں۔ یہ ملک، یہ تہذیب، ہم سب اسی کا حصہ ہیں۔ ہم ہر وقت مندر مسجد میں تو بیٹھے نہیں رہ سکتے، ہم سماج میں ملتے جلتے ہیں، سارے کام مل جل کر کرتے ہیں۔ ایسا ساری دنیا میں ہوتا آیا ہے۔ آج تو ساری حدیں ٹوٹ رہی ہیں اور جو لوگ کہتے ہیں ٹوٹ جائے، بٹ جائے — یہ قطعی نہیں ہو سکتا۔''

ہندوستانی تہذیب کی وہ روایت جو تیرھویں صدی میں امیر خسرو کے ساتھ نمو پذیر ہوئی، بھیشم جی کی طرح تمام وطن پرست اور انسان دوست ادیبوں کے قلم اور ذہن میں رچی اور آج بھی ہے لیکن کچھ ناسمجھ اور نادان اسے توڑنا چاہتے ہیں۔ صدیوں کی اس روایت اور اس عظیم وراثت کو بکھیرنا چاہتے ہیں۔ افسوس کہ کچھ ادیب بھی جو بقول کلکشور ''ان کی اوپری جیب میں قلم اور اندر کی جیب میں ترشول ہوتا ہے''۔

جہاں فرقہ واریت فسطائیت کا روپ لے چکی ہو، بازار واد کی تہذیب نے چکا چوند پیدا کر رکھی ہو، سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کی تمیز ختم ہو چکی ہو، خیالات اور وچاروں کی گنجائش کم ہو گئی ہو، منطق اور دلائل ختم ہو چکے ہوں، جہاں مشترکہ جمال و حسن کے شاہکار تاج محل اور اجنتا ایلورا بھی کاروبار کا حصہ بن چکے ہوں تو ایسے میں مشترکہ کلچر کو یاد کرنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ صدیوں کی گنگا جمنی تہذیب اور ہندو و مسلم وغیرہ کی ملی جلی وراثت کو دہرایا جانا اور بھی لازمی ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ اتفاق نہ کریں گے لیکن میرا ماننا ہے کہ اگر کبیر و نظیر، نانک اور بلھے شاہ کی پرمپرا کو — فراق و نرالا، ٹیگور و اقبال کی ملی جلی دھارا کو پھر سے بہا دیا جائے، ایکتا اور انیکتا کے نغمے گائے جائیں تو یہ ہندوستان بھی بدلے گا اور ہندوستان میں رہنے والا ہر انسان بھی بدلے گا۔ ہندی بھی بدل جائے گی اور اردو بھی بدل جائے گی، ہندو مسلمان بھی بدل جائے گا۔ اس مشترکہ تہذیب کے ذریعے ہم ہر مشکل سے لڑ سکتے ہیں، مندر اور مسجد کے سوال سے بھی، ہندو مسلم فساد سے بھی، علاقائیت سے بھی اور فرقہ واریت سے بھی اور تاریخ کی گھسی پٹی عصبیت سے بھی کہ ہمیں حال میں زندہ تو رہنا ہے لیکن تاریخ کی عظیم روایت اور تہذیب کی انمول وراثت سے محروم رہ کر ہم محض بازار کے شو پیس ہو کر رہ جائیں گے جسے کوئی بھی خرید سکتا ہے اور کوئی بھی فروخت کر سکتا ہے۔

●●●

اگر کبیر و نظیر، نانک اور بلھے شاہ کی پرمپرا کو — فراق و نرالا، ٹیگور و اقبال کی ملی جلی دھارا کو پھر سے بہا دیا جائے، ایکتا اور انیکتا کے نغمے گائے جائیں تو یہ ہندوستان بھی بدلے گا اور ہندوستان میں رہنے والا ہر انسان بھی بدلے گا۔ ہندی بھی بدل جائے گی اور اردو بھی بدل جائے گی، ہندو مسلمان بھی بدل جائے گا۔ اس مشترکہ تہذیب کے ذریعے ہم ہر مشکل سے لڑ سکتے ہیں، مندر اور مسجد کے سوال سے بھی، ہندو مسلم فساد سے بھی، علاقائیت سے بھی اور فرقہ واریت سے بھی اور تاریخ کی گھسی پٹی عصبیت سے بھی کہ ہمیں حال میں زندہ تو رہنا ہے لیکن تاریخ کی عظیم روایت اور تہذیب کی انمول وراثت سے محروم رہ کر ہم محض بازار کے شو پیس ہو کر رہ جائیں گے جسے کوئی بھی خرید سکتا ہے اور کوئی بھی فروخت کر سکتا ہے۔

مشترکہ تہذیب: روایت اور حقیقت

پروفیسر علی احمد فاطمی (شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی، الٰہ آباد)

ہندستان کے مشترکہ تہذیب کی عوامی مقبولیت کے شاعر نظیر بنارسی پر لکھتے ہوئے مشترکہ تہذیب کے بے مثال شاعر فراق گورکھپوری نے کہا تھا: ''ہندستان محض ایک جغرافیائی لفظ یا لغت نہیں ہے بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جسے جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے''۔ حقیقتیں زندہ ہوتی ہیں اپنی معاشیات سے اور اپنی تہذیب سے۔ میں نے معاشیات کا لفظ پہلے اس لیے استعمال کیا ہے کہ میں مارکس کے ان جملوں پر یقین رکھتا ہوں کہ معاشی خوشحالی تہذیب کے ارتقا میں معاون ہوتی ہے اور بدحالی اسے زوال کی طرف لے جاتی ہے۔ ہندستانی عوام کے لیے محض اتنا جاننا کافی نہیں ہے کہ وہ ہندستان کے اندر رہتے ہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہندستان بھی ان کے اندر رہے یعنی ہندستان کی تاریخ اور تہذیب۔ یہاں میرا موضوع تہذیب زیادہ ہے اور اس سے زیادہ مشترکہ تہذیب۔ اس لیے میں فراق کے ہی ایک شعر سے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوں:

سرزمین ہند پر اقوام عالم کے فراق
قافلے آتے گئے ہندستاں بنتا گیا

صدیوں میں ہندستان بننے کا عمل، قدیم و جدید تہذیب کے ہم آہنگ ہونے کا عمل، ہند آریائی تہذیب کے شیر و شکر ہونے کی داستان خاصی قدیم ہے جسے دہرانے کا یہ وقت یہاں نہیں ہے۔ بس میں اردو شعر و ادب کی جانب چند جھلکیاں پیش کروں گا جو کہ نئی تو نہیں ہیں لیکن جن کا دہرایا جانا بہت ضروری ہے، ایک ایسے وقت اور ایسی جگہ پر جہاں کچھ لوگ وحدت انسانی اور وحدت ہندستانی کو الگ الگ دیکھنے پر مصر ہیں جو بے حد مضر ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ:

ہم میں اختلاف رنگ و بو سے بات بنتی ہے
تمہیں تم ہو تو کیا تم ہو ہمیں ہم ہیں تو کیا ہم ہیں

اردو زبان و ادب کے حوالے سے مشترکہ تہذیب کے متعلق گفتگو کرنا ایسا ہی ہے جیسے شیرینی میں شکر کو تلاش کرنا۔ اس لیے کہ اردو اور مشترکہ تہذیب لازم و ملزوم ہیں۔ ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں۔ اردو کے ابتدائی شعرا کا کلام ملاحظہ کیجیے، ان میں بیشتر کا کلام دوہے کی شکل میں ملتا ہے۔ سودا، حاتم، انشا، نظیر وغیرہ کے یہاں دوہے ملتے ہیں اور بالکل ہندستانی رنگی تہذیب میں رچے ہوئے۔ ولی دکنی سے قبل اردو کی بیشتر شاعری میں چھند اور دوہے ہی نظر آتے ہیں۔ ولی کے آنے کے بعد اس میں ایرانی کلچر کے اثرات نظر آنے لگتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس میں مقامی اور مشترکہ نہیں رہ گیا، ایسا ممکن ہی نہ تھا کہ جنت نگاہ بھی ہو شعر و ادب مقامیت سے بھی الگ نہیں ہو پاتے۔ یہ فطری طور پر ممکن ہی نہیں اور نہ ہی فکری طور پر کہ مقامیت سے ہی آفاقیت کا سفر طے ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو جہاں کا ہے اگر وہیں کا نہیں ہے تو پھر کہیں کا نہیں ہے۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ایک جگہ صاف طور پر کہا ہے کہ اردو خالص ہندی زبان ہے تو اس کی گرامر بھی ہندستانی ہونی چاہیے اور اس کا کلچر بھی۔ گرامر کا معاملہ بحث طلب ہو سکتا ہے لیکن کلچر کے بارے میں کوئی بحث نہیں ہے کہ اردو ادب کا خمیر ہی مشترکہ کلچر سے اٹھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تہذیب کا معاملہ اکثر دو سطحوں پر چلتا ہے، ایک اوپری سطح پر جلدی سے نظر آنے والا اور دوسرا اندرونی سطح پر جذب ہو جاتا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا۔ اردو شعر و ادب میں ابتدا سے ہی یہ دونوں سطح کے کلچر متوازی طور پر ساتھ ساتھ رہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ معیار پرست طبقے نے نچلے طبقے کے کلچر کو منہ نہیں لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کے دوست نواب مصطفیٰ علی خاں شیفتہ نے 'گلشن بے خار' تذکرہ لکھا تو عوامی شاعر نظیر اکبرآبادی کا ذکر تک نہ کیا کہ وہ نچلے درجے کا عوامی شاعر ہے حالاں کہ اس سے قبل استاد سخن میر تقی میر کہہ گئے تھے:

شعر میرے ہیں گو خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

تہذیب کی طرح ادب کا وسیع اور ہمہ گیر تصور دونوں طبقوں کی نمائندگی کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ تاریخی اور کلاسیکی ادب خواص اور عوام دونوں میں اپنی جگہ بناتا ہے اور غیر طبقاتی ہو کر لازوال ہو جاتا ہے جس میں صرف فکر و خیال، نظریہ و فلسفہ ہی نہیں ہوتا بلکہ معاشرت، ثقافت، رہن سہن، رسم و رواج، تیج تیوہار بھی کچھ آ جاتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے اگر ہم صرف نظیر اکبرآبادی اور جعفر زٹلی کو ہی لے لیں تو اردو کی ہندستانیت یا ہندستان کی رنگی معاشرت اور مشترکہ ثقافت کی بھرپور تصویر نظر آتی ہے۔ ایک مسلمان شاعر ہوتے ہوئے بھی نظیر نے ہولی پر گیارہ نظمیں، دیوالی پر دو نظمیں، راکھی پر ایک نظم، کنھیا جی کے جنم، شادی بیاہ تک پر نظمیں لکھیں۔ ایک نظم تو کنھیا جی کی بانسری پر بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہر کی تعریف، بھیروں کی تعریف، مہادیو کا بیاہ، جوگی جوگن وغیرہ۔ اسی طرح میلے ٹھیلے میں بلدیو جی کا میلہ، تیراکی کا میلہ وغیرہ بھی جن میں ہندو مذہب اور رسم و رواج کو نہایت باریکی سے پیش کیا گیا ہے۔ کرشن جی کی پیدائش کے بارے میں ان کی معلومات دیکھیے اور ساتھ ہی ان کا لہجہ بھی۔ جنم اشٹمی کا تیوہار پورے برج میں منایا جانا فطری ہے۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی والدین کے گھر میں اندھیرا دور ہوتا ہے اور اجالا پاس آتا ہے اور کیفیات بھی ہے ان بالک بھوت کا ڈیرا اب اس کی روشنی میں ان کی نظم 'کنھیا جی' کے یہ بند دیکھیے:

ہے ریت جنم کی یوں ہوتی جس گھر میں بالا ہوتا ہے
اس منڈل میں ہر من بھیتر سکھ چین دوبالا ہوتا ہے
سب بات بتھا کی بھولے ہیں جب بھولا بھالا ہوتا ہے
آنند مدیلے باجت ہیں نت بھون اجالا ہوتا ہے
یوں نیک پچھتر لیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم
پر ان کے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم

32 بند کی اس طویل نظم میں جس طرح کنس، واسودیو، دیوکی اور یشودا کے کردار، گفتار اور کھگرار ملتی ہے اور پوری کرشن جنم بھومی سے لے کر رن بھومی کی یہ داستان سنت آتی ہے وہ نظیر کی ہندو مذہب اور تہذیب کی واقفیت کا تو پتا دیتی ہی ہے نیز ان کی عقیدت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ایک اور نظم کا ایک بند ملاحظہ کیجیے:

یارو سنو! یہ دودھ کے لہیا کا بالپن
اور مدھو پوری نگر کے بسیا کا بالپن
موہن سروپ نرت کریا کا بالپن
بن بن کے گوال گوئیں چریا کا بالپن
ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن

فراق گورکھپوری نے اپنی کتاب 'نظیر بانی' میں لکھا ہے:

''وہ مقامی تہذیب و ثقافت میں رنگ گئے تھے۔ ہندو تیوہاروں، میلوں ٹھیلوں میں بہت دل چسپی لیتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ ہندو و مسلمانوں میں کوئی بیگانگی نہ تھی''۔ کچھ ہندو ادیبوں کا خیال ہے کہ نظیر ہندو مذہب کے بارے میں کم جانتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خیال درست ہو کہ کسی پنڈت اور گیانی کے مقابلے ان کی معلومات کا کم ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں لیکن جس نوع کی وہ عوامی تہذیب اور ذہنی ثقافت میں رچے بسے ہوئے تھے وہاں اس طرح کی خارجی تفریق عموماً مٹ جایا کرتی ہے۔ پھر مذہب کی عوامی تہذیب و ثقافت، ایمان و عرفان اپنا ایک الگ دائرہ بنا لیتا ہے۔ ہندی کے بعض شاعروں نے تو پھر بھی کرشن کی عاشق، پنگھٹ پچھاڑ کرنے والے نوجوان یا بھگوان کی تصویر پیش کی ہے لیکن نظیر کے یہاں عقیدت و احترام تو ہے اور اسلوب بیان اور لفظیات میں ہندو تہذیب کا معنوی فنکارانہ اظہار، جس میں اگر ایک طرف اسلام کا صوفیانہ وجدان ہے تو دوسری طرف بھگتی کا گیان اور آتم سمان بھی۔ اس ملے جلے صوفیانہ تصور کا رس لینا ہے تو نظیر کی ان نظموں کا مطالعہ بھی ضروری ہے جو محض موضوع کے اعتبار سے براہ راست ہندو دھرم کے دائرے میں نہیں آتیں لیکن ہندستانی عوامی تہذیب، زندگی اور رسم و رواج کے دائرے میں براہ راست آتی ہیں مثلاً ان کی نظمیں روٹی نامہ، آدمی نامہ، بنجارہ نامہ، فقیروں کی صدا، کلجگ، مفلسی وغیرہ ایسی ہیں جو مذہبی نظموں کے مزاج و

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں   مطبوعہ: شمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org